امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 62/72 | مورخہ ۱۴ر شوال ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۶ر مئی ۲۰۲۲ء روز سوموار | شمارہ نمبر 18

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل، یادوں کے چراغ
■ حکایات اہل دل
■ طالبان علوم نبوت سے چند باتیں
■ ہاتھیں کرکے مسلمانوں سے نفرت کا اظہار
■ مسلمان تاریخ سے سبق لیں
■ ملک کی ترقی کے لئے قوتوں کی یکجائی ضروری
■ اخبار جہاں، ملی سرگرمیاں، ہفتہ رفتہ

بین السطور

میری سحر کا مسئلہ اب بھی زیر غور ہے

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

اس وقت ہندوستان میں سماجی، سیاسی اور ملی خدمت کرنے والوں کے لئے مرکز تحقیق مسلمان ہیں، دشمنان اسلام مسلمانوں کو تہذیبی اعتبار سے ختم کرنے کے منصوبوں پر کام کر رہے ہیں، وہ اندلس اور اسپین کی تاریخ پر غور کر رہے ہیں کہ وہاں مسلمان سینکڑوں سال کی حکومت کے بعد کس طرح نیست ونابود کئے گئے، کئی لوگ، کئی ادارے اور تنظیمیں مسلمانوں کے مسئلہ عقائد اور پرسنل لا پر اعتراضات کرکے مسلمانوں کا درجہ حرارت ناپنے کے لیے سرگرم ہیں، اس کے لیے انہوں نے مختلف محاذ کھول رکھے ہیں، کوئی ناموس رسالت پر حملہ کرکے مسلمانوں کو ہراساں کرنے میں لگا ہوا ہے، کوئی سفر کے دوران بس، ٹرین میں مسلمانوں کا مذاق اڑانے اور انہیں زدوکوب کرکے ان کے صبر کا امتحان لے رہا ہے، سیاسی حضرات کے یہاں بھی مسلمان ہی مرکز توجہ ہیں، کبھی ووٹ بینک کے طور ان کا استعمال کرنے اور کبھی مختلف کمیشن کے ذریعہ ان کے احوال جانے، ان کی پس ماندگی کو سمجھنے اور مگرمچھ کے آنسو بہا کر ان کا اعتماد حاصل کرنے کیلئے تگ ودو کی جا رہی ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ مرکزی حکومت نے ۲۹ر اکتوبر ۲۰۰۴ء کو سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس رنگا ناتھ مشرا کی قیادت میں "قومی کمیشن برائے مذہبی اور لسانی اقلیتیں" قائم کیا تھا تاکہ سماجی، اقتصادی، اور لسانی اقلیتوں کی نشان دہی کرکے ان کے لئے رزرویشن کی تجویز پیش کی جاسکے، اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۲۱ر مئی ۲۰۰۷ء کو حکومت کو پیش کردیا، جس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ۱۹۵۰ء کے شیڈولڈ کاسٹ آرڈر سے مذہب کی قید ہٹائی جائے تاکہ ایس سی (SC) زمرے میں ہندو، بدھ اور سکھوں کے ساتھ مسلمانوں کی بھی شمولیت ہوسکے، اس کمیشن نے مسلم اقلیتوں کے لیے دس فی صد اور دیگر اقلیتوں کے لیے پانچ فی صد کی سفارش کی تھی، کمیشن نے رزرویشن میں رخنہ پیدا ہونے کی صورت میں متبادل راستہ اختیار کرنے پر زور دیا تھا، اس کا کہنا تھا کہ او بی سی (OBC) کے لیے منڈل کمیشن نے 27 فی صد رزرویشن کی بات کی ہے، اس رزرویشن میں اقلیتیں 27 فیصد کا 8.4 فی صد ہیں، اس لیے OBC کے تحت دیے جانے والے رزرویشن میں سے 8.4 فیصد ان کے لیے مختص کرنا چاہیے، اس رپورٹ کے نفاذ کے لیے حکومت مجبور نہیں تھی، اس لیے کہ اس نے اس کمیشن کو کمیشن آف انکوائری ایکٹ کے تحت نہیں بنایا تھا، اس کمیشن نے انکشاف کیا تھا کہ سرکاری ملازمتوں میں اقلیتوں خاص طور پر مسلمانوں کی نمائندگی بہت کم ہے، بلکہ بہت سارے محکمے مسلمانوں سے خالی ہیں اور ان میں مسلمانوں کی نمائندگی صفر ہے، اس رپورٹ کو صرف مغربی بنگال نے ریاستی طور پر نافذ کرنے کا اعلان کیا، لیکن کمیونسٹ حکومت کے تیس سالہ دور اقتدار میں مسلمانوں کے ساتھ کی گئی ناانصافی کے ازالے کی کوئی شکل نہیں بن سکی۔

۹ر مارچ ۲۰۰۵ء کو یو پی اے کی سرکار نے ایک نوٹی فکیشن کے ذریعہ مسلمانوں کی سماجی اقتصادی اور تعلیمی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے جسٹس راجندر سنگھ سچر کی قیادت میں کمیٹی تشکیل دی، یہ من موہن سنگھ کا دور وزارت تھا، کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۱۷ر نومبر ۲۰۰۶ء کو وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کیا اور انہوں نے ۳۰ر نومبر کو پارلیامنٹ کے سامنے رکھا، اس رپورٹ کا بڑا چرچا رہا، کمیٹی نے مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیکر اس سمت میں جس اقدام کی ضرورت پر زور دیا، ان میں محروم طبقات خصوصا اقلیتوں کے لئے "یکساں مواقع کے حصول کا کمیشن" EQUAL OPRORTUNITY COMMISSION کے قیام کی تجویز رکھی تھی، کمیٹی کا خیال تھا عوامی اداروں میں اقلیتوں کی حصہ داری بڑھانے کے لیے نامزدگی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اس نے اپنی رپورٹ میں اس بات پر بھی زور دیا تھا کہ ایک ایسا حد بندی کمیشن قائم کرنا چاہیے جو اس بات پر نگاہ رکھے کہ بڑی آبادی والے حلقوں کو (S.C) کے لئے رزرو نہ کیا جائے، کمیٹی کی رپورٹ میں اس بات کی وضاحت کی گئی تھی کہ مدارس کے نظام کو ہائر سکنڈری کی تعلیم سے مربوط کیا جائے، اور مدارس کی اسناد کو دفاع، سول اور بینکنگ اداروں کے امتحانات کیلئے تسلیم کیا جائے۔

اس کمیٹی نے مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال کا جائزہ لے کر بتایا کہ پورے ملک میں خواندگی کی شرح 64.8 فی صد ہے، جس میں ہندوؤں میں 65.1، مسلمانوں میں 59.1، ایس سی ایس ٹی میں 52.8 اور دیگر 70.8 فی صد ہیں۔ مختلف سرکاری محکموں کی ملازمتوں کا جائزہ لے کر اس کمیٹی نے بتایا کہ مسلمان آئی اے ایس میں 3.0، پولس وفاقی اور حفاظتی عملوں میں 4.0، محکمہ تعلیم (ریاستی) میں 6.5، پولس کانسٹیبل میں 6.4، محکمہ ٹرانسپورٹ میں 6.5، آئی ایف ایس میں 1.8، انڈین ریلویز میں 4.5، محکمہ داخلہ (ریاستی) میں 7.3، محکمہ صحت میں 4.5، عدلیہ میں 7.8 فیصد ہیں، یعنی 8 فیصد بھی نہیں ہیں، جبکہ مطالبہ دس فیصد کا ہوتا رہا ہے۔

سچر کمیٹی کی سفارشات پر جزوی عمل درآمد کے بعد پروفیسر امیتابھ کنڈو کی قیادت میں اگست ۲۰۱۳ء میں حکومت نے ایک نئی کمیٹی بنائی تاکہ مسلمانوں کی آبادی، بے روزگاری، طرز زندگی، معیار زندگی، پس ماندگی، اوقاف کی جائیداد، عام تعلیمی پالیسی اور صحت کی صورت حال کا جائزہ لیا جاسکے، کمیٹی نے ۲۰ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو اپنی رپورٹ سرکار کو سونپ دی، جس میں سچر کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں جو اقدامات کیے گئے، اسے ناکافی قرار دیتے ہوئے مزید اقدام کی ضرورت پر زور دیا گیا، کمیٹی نے اپنی سفارشات میں لکھا ہے کہ جو اقدام مسلمانوں کے لیے کیے گئے وہ بھی ان تک براہ راست اور موثر انداز میں نہیں پہونچ سکے، مزید افرادی بحالی پر بھی توجہ نہیں دی گئی، جن امور کی انجام دہی کے لیے سرکار مستعد تھی، اس کے لیے مسلمانوں کی طرف سے مطالبات کم آئے، اس لیے نتائج کی سطح پر اس ضمن میں کامیابی کا گراف بہت نیچے ہے، اس سلسلے میں مسلمانوں کو خود بھی جس طرح کی مستعدی دکھانی چاہیے تھی وہ دیکھنے میں نہیں آئی۔

اس سلسلے میں مہاراشٹر کے لیے قائم محمود الرحمن کمیٹی کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، جس میں مسلمانوں کو ہاؤسنگ پروجیکٹ، تعلیمی اداروں اور سرکاری محکموں میں 8 فیصد رزرویشن دینے، مسلمانوں کے کمزور طبقات کو OBC میں، مسلمان دلتوں کو شیڈولڈ کاسٹ کے زمرے میں شامل کرنے، تعلیمی ترقیاتی محکموں کو مضبوط کرنے، ریاستی اقلیتی کمیشن کو با اختیار بنانے، وقف املاک کو ناجائز قبضوں سے آزاد کرانے، مسلمان طلبہ کے لیے پری میٹرک اور پوسٹ میٹرک وظائف کی شرطوں کو نرم کرنے، مسلم اکثریت والے علاقوں میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کے قائم کرنے اور ایس سی، ایس ٹی کے طرز پر مسلمانوں کے تحفظ کے لئے قانون بنانے کی سفارش کی تھی، قانون تو بنا نہیں، مسلمانوں کی جان ومال عزت وآبرو سے کھلواڑ کرنے کی روایت چل پڑی، آج صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہراساں وخوف زدہ کیا جا رہا ہے، ان کے مکانوں پر بلڈوزر چلایا جا رہا ہے، مساجد بھی محفوظ نہیں ہیں، انہیں دوسرے درجے کے شہری بنانے کے منصوبے پر تیزی سے کام ہو رہا ہے، تاریخ کو مسخ کرکے مسلم عہد حکومت کی تاریخی عمارتوں اور شہروں کے نام بدلنے کی ایک مہم چل رہی ہے، تباہی وبربادی کی داستان طویل ہوتی جا رہی ہے، ہمارے وزیر اعظم ان موضوعات پر زبان نہیں کھولتے، جس سے فرقہ پرستوں کے حوصلے بلند ہیں، انہیں "من کی بات" سننے کی فرصت نہیں ہے، وہ صرف "من کی بات" کہنا جانتے ہیں، جس طرح آمریت میں ایک ڈکٹیٹر ہوتا ہے، اسی طرح ہمارے یہاں کی جمہوریت دو آدمی کے گرد گھوم رہی ہے، نہ کسی وزیر کی چلتی ہے اور نہ کسی اور کی، سب اپنی کرسی کو بچائے رکھنے کے لیے مودی مودی کے نعرے بلند کرنے میں لگے ہیں، ظاہر ہے، ان حالات میں صرف مسلمان ہی نہیں ملک کا مستقبل خطرے میں ہے، جمہوریت کی ساری بنیادیں منہدم ہوگئی ہیں، پندرہ سو قوانین میں ترمیم کی جاچکی ہے، یکساں سول کوڈ اور ملک کو ہندو راشٹر بنانے کی تیاری زوروں پر چل رہی ہیں، مسلمانوں کے حوالے سے ساری کمیٹیوں کی رپورٹیں سرد خانے میں چلی گئی ہیں، ہوسکتا ہے کمیٹیوں کی تشکیل آئندہ بھی ہو، کمیٹیاں بنتی رہیں گی، کمیشن کے ذریعہ مرض کی تشخیص کرائی جائے گی لیکن اپنی حالت کے سدھارنے کا احساس جب تک خود مسلمانوں میں نہیں ہوگا، حقوق کی بازیافت کی جد وجہد کا حوصلہ نہیں ہوگا، صورت حال نہیں بدلے گی اور بقول شاعر یہ مسئلہ زیر غور ہی رہے گا۔

سارے جہاں کی شام غم صبح بہار ان بن گئی
میری سحر کا مسئلہ اب بھی زیر غور ہے

بلا تبصرہ

"دانش آزاد انصاری کو جب (اتر پردیش کابینہ میں) وزیر کا حلف دلایا گیا تھا تبھی لوگوں کو یہ حیرت ہوئی تھی کہ آخر بی جے پی ایک مسلم پر اتنا مہربان کیوں ہوگئی ہے کہ بغیر انتخاب جیتے اسے اقلیتی فلاح کا وزیر بنا دیا، اب سمجھ میں بات آگئی ہے کہ اس کے پیچھے کیا مقصد تھا، بی جے پی حکومت نے ایک مسلم وزیر کے ذریعہ مدرسوں میں راشٹر گان کو لازم قرار دے کر بڑی ہوشیاری دکھائی ہے۔"

(روزنامہ [illegible]، جمعہ ۱۳ر مئی ۲۰۲۲ء)

اچھی باتیں

"درخت پر اوقات سے زیادہ پھل لگ جائیں تو اس کی ڈالیاں ٹوٹنی شروع ہوجاتی ہیں، اسی طرح جب کسی انسان کو اوقات سے زیادہ مل جائے تو وہ دوسرے رشتے توڑنا شروع کر دیتا ہے، انجام یہ ہوتا ہے کہ جس طرح درخت اپنے پھل سے محروم ہوجاتا ہے، انسان بھی تنہا رہ جاتا ہے۔ ☆ الفاظ کا چناؤ سوچ سمجھ کر کریں، جب آپ بات کر رہے ہوتے ہیں تو آپ کے الفاظ آپ کے خاندانی مزاج اور تربیت کا پتہ دے رہے ہوتے ہیں۔"

(حاصل مطالعہ)

Scanned with CamScanner

اللہ کی باتیں ـــــ رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

کردار سازی کے لئے خود احتسابی کی ضرورت

''اور تم کو جس بات کی تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑ جاؤ، یقیناً کان، آنکھ اور دل، انسان سے ان سب کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی'' (بنی اسرائیل، آیت: ۳۶)

مطلب: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی سے متعلق چند بنیادی ہدایتیں دی ہیں، جن کی سماجی زندگی میں بڑی اہمیت ہے، انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان فضول اور لایعنی باتوں سے گریز کرے اور جس بات کی اس کو تحقیق نہ ہو، اس کے پیچھے نہ پڑے، کیونکہ قیامت کے دن انسان سے اس کے کان، آنکھ اور دل کے بارے میں سوال ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے کسی شخص کو علم وفضل اور کمال ہنر کی نعمت عطا کی ہے، کسی کو عقل وشعور کی دولت بخشی اور کسی کو دنیاوی سیادت وقیادت کی نعمت عطا کی، یہ سب نعمتیں قدرت کا عطیہ ہیں، اس کا شکر یہ ہے کہ ان صلاحیتوں سے وہ کام لیا جائے جو منعم حقیقی کو پسند اور مطلوب ہو، خیر وبھلائی اور نیکی کو پھیلانے اور بڑھانے میں صرف ہو، اللہ نے سننے کے لئے کان اور چلنے کے لئے دو پیر دیئے، پکڑنے کے لئے دو ہاتھ دیئے اور بولنے کے لئے زبان کے اندر قوت گویائی عطا کی، بظاہر یہ اعضاء انسان کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے عطا کیں، اب انسان کا فرض ہے کہ اللہ کی بخشی ہوئی ان تمام نعمتوں کو حق کی اطاعت کے لئے استعمال کرے اور ان راہوں سے پوری طرح بچا جائے جو غلط ہیں، اگر ہم نے اس کو یونہی چھوڑ دیا کہ جس پر چاہا ہاتھ صاف کر دیا، جو دل میں آیا بے دھڑک بول دیا، جو چاہا کھایا یہ جانوروں کی صفت تو ہو سکتی ہے عقل وشعور رکھنے والے انسان کے لئے نہ مناسب ہے اور نہ ہی مفید، ایسے لوگ دنیا میں ذلیل وخوار تو ہوں گے ہی قیامت کے دن بھی انہیں اپنے کرتوتوں کا حساب دینا ہوگا، ہم آج جو کچھ کر رہے ہیں، وہ سب اللہ کے علم میں ہے وہ ہماری نیتوں سے خوب واقف ہے، وہاں ہر چیز کا ہمیں حساب دینا ہوگا، انسان کی آنکھ، کان، دل، سب کے سب اللہ کے نزدیک مسئول ہیں، ہمارے لئے ہزار بار سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم خود کو کہاں اور کس طرح استعمال کر رہے ہیں اور ہمارا یہ استعمال شکر کے خانے میں ہے یا ناشکری کے، اگر ہم نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر بجالایا تو اللہ کا وعدہ ہے کہ ہم نعمتوں میں اضافہ کریں گے اور اگر ناشکری کی تو پھر گرفت سخت ہوگی ''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ'' اس لئے ہر مومن کو اللہ کی نعمتوں پر شکر بجالانا چاہئے جس کا تقاضا ہے کہ خلق خدا کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی کرنی چاہئے اور ہر ایسا عمل جو اللہ کی رضا وخوشنودی کی خاطر ہو کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے اور حسن عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

مریضوں کے ساتھ حسن سلوک

''حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتے ہیں اور پلاتے ہیں'' (ترمذی شریف، ابواب الطب)

وضاحت: بیماریاں انسانی صحت پر حد درجہ اثر انداز ہوتی ہیں، بیمار کے جسم کی ظاہری ہیئت، چہرے پر نقاہت اور پاؤں میں لڑکھڑاہٹ تو طاری رہتی ہی ہے، نفسیاتی طور پر بھی مریضوں میں چڑچڑاپن اور حدت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے جسم کو صحت مند رکھنے کے لئے ذہنی نقطۂ نظر کا اعتدال قائم رہنا چاہئے جہاں تک ممکن ہو، افسردگی اور مایوسی سے بچنے اور اپنے ذہن وفکر کو پرکیف بنانے کی کوشش کریں، تاکہ آپ نفسیاتی دباؤ کے شکار نہ ہوں، بہت سے مریض مختلف مزاج اور طبیعت کے ہوتے ہیں، بسا اوقات ان کے قُویٰ اور معدے تقلیل غذاؤں کے متحمل نہیں ہوتے، اس لئے ان کے اندر کھانے پینے کی رغبت کم ہو جاتی ہے، بھوک وپیاس کا فقدان ہو جاتا ہے، ادھر گھر والے انہیں پریشان کرتے ہیں کہ اگر نہیں کھائے گا تو اور بھی کمزور ہو جائے گا، اس لئے ان کے کھانے پر دباؤ بناتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ اچھی صحت کے لئے متوازن غذائیں مفید ہوتی ہیں، لیکن اس سلسلہ میں مزاج کا لحاظ اور مریض کی طبیعت کے انشراح کو سامنے رکھنا چاہئے، اس لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اگر بیمار آدمی کو کھانے پینے کی رغبت نہ ہو تو اس کو زبردستی کھانے پر آمادہ نہ کرو اور نہ ہی اس پر دباؤ بناؤ، کیونکہ جن مریضوں میں کھانے پینے کی رغبت کم رہتی ہے اللہ تعالیٰ ان کے اندر صبر وبرداشت کی قوت ودیعت فرما دیتے ہیں، جس کے سہارے وہ زندگی گذارتا ہے، اس کی وجہ اطباء یہ بیان کرتے ہیں کہ وہی خوراک جزو بدن بنتی ہے جس کی طبیعت کو رغبت ہو جس کے کھانے کی رغبت نہ ہو وہ کھانا جزو بدن نہیں بنتا؛ بلکہ وہ الٹا کمزوری کا سبب بنتا ہے اس سے مرض میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے تاوقتیکہ طبیعت اعتدال وتوازن پر نہ آجائے اور از خود رغبت پیدا نہ ہو جائے، بیمار کو کھانے پر مجبور کرنا بے سود ہے، البتہ اس کا علاج ومعالجہ کرانا چاہئے، تاکہ اس کے اندر کھانے پینے کی رغبت پیدا ہو جائے اور جب رغبت پیدا ہو جائے تو سادہ اور زود ہضم غذائیں کھلائیں؛ تاکہ ان کے معدے میں گرانی نہ پیدا ہو، ہاں اگر ماہر اطباء نے کسی خاص کھانے کے استعمال پر زور دیا تو ایسی صورت میں مریض کی ذہنی ونفسیاتی کیفیت کا لحاظ وخیال کرتے ہوئے کھلائیں اور انہیں اطمینان دلانے کی کوشش کریں کہ یہ کھانا غذا نہیں دوا ہے جس سے صحتیابی ہوگی، مگر اس میں بھی مریض پر بہت زیادہ دباؤ نہ بنائیں بلکہ ان کے انشراح قلب کا انتظار کریں یعنی مریضوں کے ساتھ حسن سلوک یہ نہیں ہے کہ اسے بغیر خواہش کے الٹی سیدھی چیزیں کھلائی جائیں، حسن سلوک یہ ہے کہ اس کی خواہش کا احترام کیا جائے اور اس کی تیمارداری پر توجہ دی جائے۔

دینی مسائل

مفتی احکام الحق قاسمی

حیلہ تملیک

س: ایک اسکول میں تعمیراتی کام چل رہا ہے، تعمیری فنڈ میں روپئے کی کمی کی وجہ سے اسکول انتظامیہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ زکوۃ کی ایک موٹی رقم ایک غریب آدمی کے ہاتھ میں دیا اور اس سے کچھ بتائے بغیر کہا کہ اس رقم کو اسکول کی تعمیر میں دے دو، چنانچہ اس کے کہنے پر اس غریب آدمی نے وہ رقم اسکول انتظامیہ کو دے دیا، کیا اس طرح حیلہ کرنا صحیح ہے اور کیا اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی؟

ج: زکوۃ کی رقم کے حقدار فقراء ومساکین ہیں، ان کو یہ رقم دے کر مالک بنا دینا ضروری ہے، اس رقم کو براہ راست کسی بھی ایسے کام پر صرف نہیں کر سکتے ہیں جس میں مالک بننے کی صلاحیت نہ ہو، البتہ تملیک شرعی کا تحقق ہو جائے بایں طور کہ زکوۃ ودیگر صدقات واجبہ کی رقم مستحق زکوۃ کو دے کر مالک وقابض بنا دیا جائے اور ان کو مکمل اختیار دیدیا جائے کہ وہ اس رقم کو جہاں چاہے استعمال کرے پھر وہ مذکورہ کاموں پر خرچ کرنے کے لئے رقم دیدے تو ان کاموں پر اس کو خرچ کر سکتے ہیں، نیز حیلہ کے بارے میں یہ اصول ہے کہ جب آدمی کسی مشکل امر میں پھنس جائے تو اتفاقی طور پر حرام سے بچنے کے لئے حیلہ اختیار کر لے، حیلہ کا مقصد کسی فرض کو ساقط کرنا یا نعوذ باللہ کسی حرام چیز کو حلال کرنا نہ ہونا چاہئے، لہذا حیلہ کی جو شکل سوال میں لکھی گئی ہے، اس سے حیلۂ شرعی کا تحقق نہیں ہوتا ہے یہ بس ہاتھ کی ہیرا پھیری ہے جو تملیک شرعی کے لئے کافی نہیں ہے، اس طرح زکوۃ کی رقم تعمیر اسکول پر صرف کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے، اس سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی: ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ'' (التوبہ: ۶۰)

''ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه'' (الدر المختار)

''قوله: (نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالاتمليک فيه'' (رد المحتار: ۳/ ۲۹۱)

''كل حيلة يحتال بها الرجل لابطل حق الغير أو لادخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة'' (الفتاوى الهندية، كتاب الحيل: ۶/ ۳۹۰)

لاک ڈاؤن ختم ہونے کے بعد جمعہ کی ادائیگی

س: میرے گھر کے اوپر چار سال سے نماز ہو رہی ہے، ماشاء اللہ تراویح بھی ہوتی ہے، پہلے لاک ڈاؤن میں حالات کے پیش نظر جمعہ کی نماز شروع ہوئی تھی جو اب تک جاری ہے، اب جبکہ حالات بدل چکے ہیں، تو کیا اس جگہ پر جمعہ کی نماز ہوگی یا نہیں؟

ج: نماز جمعہ کی خاص عظمت اور امتیازی شان کی بنیاد پر شریعت کا حکم یہ ہے کہ پوری آبادی اور محلّہ کے مسلمان نماز جمعہ اجتماعی طور پر ایک ہی جگہ ایک ہی مسجد میں ادا کریں، تاکہ اسلام کی عظمت اور اس کی شان وشوکت کا اظہار ہو سکے نیز امت مسلمہ کی اجتماعیت اور مرکزی حیثیت برقرار ہے اور یہ چیزیں متفرق طور پر ٹولیوں میں ادا کرنے سے حاصل نہیں ہوتیں نیز متفرق جگہوں میں نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت ایک خاص حالت میں تھی جب وہ حالت ختم ہوگئی تو اجازت بھی ختم ہوگئی پھر یہ کہ مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں میں نماز ادا کرنے سے مسجد کے ثواب سے محرومی بھی ہوتی ہے، لہذا لاک ڈاؤن سے قبل جس طرح نماز جمعہ کی ادائیگی ہو رہی تھی اسی طرح ادا کی جائے اور مختلف جگہوں پر خاص کر گھروں میں نماز جمعہ ادا کرنے سے بالکل پرہیز کیا جائے۔

حائضہ عورت کا خاتون میت کو غسل دینا

س: کیا حائضہ عورت کسی خاتون میت کو غسل دے سکتی ہے، جبکہ دوسری غسل دینے والی عورت موجود ہو؟

ج: حائضہ اور نفساء کے لئے مردہ عورت کو غسل دینا مکروہ ہے: ''ويكره أن يغسل جنب او حائض'' (رد المحتار: ۱/ ۵۷۶) لہذا صورت مسئولہ میں خاتون میت کو حائضہ ونفساء غسل نہ دے بلکہ جو عورت پاک وصاف ہو وہ غسل دے البتہ اگر پاک وصاف عورت وہاں موجود نہ ہو تو حائضہ یا نفساء بھی غسل دے سکتی ہیں۔

حاملہ مردہ عورت کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو...

س: اگر کوئی حاملہ خاتون زچگی کے دوران یا اس سے قبل انتقال کر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو اسکو نکالا جا سکتا ہے اور بچہ کو بچایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

ج: صورت مسئولہ میں مردہ عورت کے پیٹ کو چاک کر کے بچہ کو نکالا جا سکتا ہے، شرعاً جائز ودرست ہے: ''حامل ماتت وولد حيّ يضطرب شق بطنها من الأيسر ويخرج ولدها'' (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱/ ۶۰۲)

قبل از وقت مادہ حلال جانور کو دودھ آجائے...

س: اگر کسی مادہ حلال جانور کو بچہ دینے سے قبل دودھ آجائے تو اس دودھ کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ج: ایسا جانور جس کا گوشت کھانا حلال ہو اگر اس کی عمر اتنی ہو کہ وہ بچہ جننے کے قابل ہو اور اس کو دودھ اتر آئے تو اس دودھ کا استعمال شرعاً جائز اور حلال ہے:

''اللبن إنما يتصوّر ممن يتصور منه الولادة'' (البحر الرائق: ۳/ ۳۹۹، كتاب الرضاع)

''لبن المأكول حلال'' (رد المحتار: ۱۰/ ۳۸، كتاب الأشربة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

Scanned with CamScanner

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب پھلواری شریف پٹنہ

پھلواری شریف

جلد نمبر 62/72 شمارہ نمبر 17 مورخہ ۱۴/ شوال ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۶/ مئی ۲۰۲۲ء روز سوموار

قانون بغاوت ہند کے استعمال پر عبوری روک

سپریم کورٹ (عدالت عظمیٰ) نے ایک اہم فیصلہ میں قانون بغاوت ہند کے استعمال پر روک لگادی ہے، چیف جسٹس این وی رمنا، جسٹس سوریہ کانت اور جسٹس ہیما کولی کی سہ نفری کمیٹی نے سرکار سے کہا ہے کہ اس قانون کے تحت اب کوئی اف آئی آر درج نہیں ہوگی، اور جو لوگ اس قانون سے ماخوذ ہوئے اور جیلوں میں محبوس ہیں، ان کی ضمانت کی درخواست قابل سماعت ہوگی، اور وہ عدالت میں ضمانت کی عرضی لگا سکتے ہیں، یہ روک اس وقت تک رہے گی جب تک حکومت دفعہ ۱۲۴/اے اور اس کے متعلقات پر نظر ثانی نہیں کر لیتی، اس طرح کہنا چاہیے کہ یہ عبوری روک ہے، عدالت چاہتی ہے کہ اس متنازع قانون کے ختم کرنے کی راہ ہموار کی جائے۔

ہندوستانی قانون آئی پی سی کی دفعہ ۱۲۴/اے کے مطابق اگر کوئی شخص اپنی تقریر، تحریر، اشارے اور منظر کشی کے ذریعہ قانونی طور پر منتخب حکومت کے خلاف نفرت اور بے اطمینانی کی فضا پیدا کرتا ہے یا اس کی کوشش کرتا ہے تو اسے عمر قید یا تین سال قید اور جرمانے کی سزا دی جاسکتی ہے۔

یہ قانون ہندوستان میں برطانیہ سے برآمد کیا گیا ہے، برطانیہ میں ۱۸۳۷ء میں تھامس بیبگٹن میکالے نے یہ قانون ''ویسٹ منسٹر قانون'' کی زد سے بادشاہ کو بچانے کی غرض سے بنایا تھا، پھر اس قانون پر نظر ثانی کا کام ۱۸۶۰ء میں ہوا اور اسے باقی رکھا گیا۔ ۱۸۷۰ء میں جیمس فِتوج جیمس اسٹیفن کی تجویز پر یہ قانون آئی پی سی میں جوڑا گیا، انگریز حکومت میں چوں کہ فرد کی آزادی کا تصور نہیں تھا، اس لیے دور غلامی میں یہ قانون آزادی کے متوالوں کے خلاف استعمال کیا جاتا رہا، ۱۹۲۱ء میں جب انگریزوں کے خلاف ترک موالات کا فیصلہ دوبارہ شائع ہوا، جس میں انگریزوں کی جانب سے دیے گیے خطابات، عہدے، کونسل کی ممبری، فوج کی ملازمت، تجارتی تعلقات، سرکاری تعلیم، حکومتی امداد اور مقدمات کی پیروی کے بائیکاٹ کی بات کہی گئی تھی، تو انگریز حکومت نے اس قانون کا استعمال کیا، چنانچہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، پیر غلام مجددی سندھی، مولانا نثار احمد کانپوری اور جگت گرو شنکر آچاریہ پر اسی دفعہ کے تحت مقدمہ چلایا گیا جو کراچی مقدمہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی قانون کے تحت لوک مانیہ تلک اور مہاتما گاندھی کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا، ہندوستان کی آزادی کے بعد ۱۹۶۲ء میں سپریم کورٹ نے اس قانون کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ اس قانون کا نفاذ صرف اس شکل میں ہوگا جب تشدد کے لیے اُکسانا یا پُرتشدد طریقے سے منتخب سرکار کو اکھاڑ پھینکنا مقصد ہو۔ اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سرکار کی مذمت یا اس کے خلاف پُرامن تحریک چلانا اس قانون کے تحت نہیں آتا، لیکن ہر دور میں حکومتوں نے اس تشریح کی ان دیکھی کی اور مخالفین کو جیلوں میں بند کیا۔ اس سے قبل ۱۸۹۸ء، ۱۹۳۷ء، ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء میں اس قانون میں وقتاً فوقتاً جزوی تبدیلیاں کی جاتی رہیں، ۱۹۵۸ء میں الہ آباد ہائی کورٹ نے اپنے ایک فیصلہ رام نندن بنام ریاست میں اس قانون کو کلیۃً رد کر دیا تھا، اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں سپریم کورٹ نے اس قانون کی جو تشریح کی اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

۱۹۷۳ء میں اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اپنے دور حکومت میں اس قانون کے اطلاق پر غیر ضمانتی وارنٹ جاری کرنے کا اضافہ کیا، اس طرح یہ قانون اور سخت ہوگیا، اور ۱۸۹۸ء میں کی گئی ترمیم کے سارے خد وخال بدل ڈالے گیے۔

اب جب کہ ہر پانچ سال کے بعد انتخاب ہو رہا ہے، اور حکومتیں الٹ پلٹ ہوتی رہتی ہیں، ایسے میں حکومت کے خلاف بولنا ملک سے غداری اور بغاوت کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے، المیہ یہ ہے کہ برطانیہ میں ۲۰۰۹ء میں ہی اسے کالعدم قرار دے دیا گیا، لیکن ہندوستان میں یہ آج بھی برقرار ہے اور حکومت کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو اس کے ذریعہ نہ صرف ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے؛ بلکہ اس کا استعمال کر کے حق کی آواز کو دبانے کی کوشش بھی کی جاتی رہی ہے، قانون دانوں کا خیال ہے کہ یہ پورے جمہوری نظام کے لیے ایک چیلنج ہے، اب عدالت عظمیٰ (سپریم کورٹ) نے بھی کہا ہے کہ اس قانون کی تشریح کا وقت آگیا ہے، اس قانون پر پہلے بھی اعتراضات کیے جاتے رہے ہیں، گاندھی جی نے کہا تھا کہ اس قسم کے کالے قانون کی طاقت سے سرکار کے تئیں محبت کا ماحول نہیں پیدا کیا جاسکتا، غلام ہندوستان میں ڈاکٹر شیاما پرساد مکھرجی، رام منوہر لوہیا بھی اس قانون کے خلاف تھے، ڈاکٹر راجندر پرشاد کی رائے تھی کہ باہری طور سے پابندیاں لگا کر حب الوطنی پیدا نہیں کی جاسکتی، اس لیے نئے ایوان کی تشکیل کے بعد اس قسم کے قانون کو رد کیا جانا چاہیے۔

لیکن ہر دور میں حکومت کی یہ خواہش رہی کہ حکومت کے خلاف اٹھنے والی آواز کو غداریٔ وطن اور بغات کا مترادف قرار دیا جائے، حالاں کہ یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ حکومت کے خلاف آواز اٹھانا اور ملک سے غداری دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، لیکن قانونی کمیٹی (ودھی آیوگ) نے ۱۹۷۱ء میں اپنی تینتالیسویں رپورٹ میں حکومت اور وطن کی غداری کو ایک قرار دے دیا، اس نے اس قانون میں سرکار کے ساتھ، دستور، مقننہ اور عدلیہ کو شامل کرنے کی بے تکی سفارش کر ڈالی، جس کی ضرورت اس لیے نہیں تھی کہ ان امور کی حفاظت کے لیے دستور اور آئی پی سی میں پہلے ہی سے الگ الگ دفعات موجود ہیں، ملک کی سالمیت، تحفظ کے ساتھ کھلواڑ کرنے ملک مخالف اور دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے یو اے پی اے، مکوکا جیسے قانون پہلے ہی سے موجود ہیں، ایسے میں حکومت اور ملک سے غداری اور بغاوت کے فرق کو ختم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دونوں کو ایک ماننے کی حماقت دستور اور ملک دونوں کے ساتھ دھوکہ ہی کہا جائے گا، سرکار کے خلاف اور غداری وطن کے اس قانون کو ۱۹۵۱ء میں پہلی دستوری ترمیم کے موقع سے دفعہ (۲) ۱۹/ر کے ذریعہ مضبوط کیا گیا، حزب مخالف نے سرکار مخالف تحریک کو غداری اور بغاوت ملک و وطن سے جوڑ کر دیکھنے کی ہر دور میں مخالفت کی، چنانچہ ۲۰۱۱ء میں کمیونسٹ رکن پارلیان ڈی راجہ نے ایک نجی بل پارلیامنٹ میں اس کے خلاف پیش کیا؛ لیکن حکومت نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی، بھاجپا سرکار آنے کے بعد خود کانگریس کا رخ بدلا، چنانچہ کانگریس کے رکن پارلیمان ششی تھرور نے ایک دوسرا بل پیش کیا، لیکن اس کا حشر وہی ہوا جو کانگریسی دور حکومت میں ڈی راجہ کے ذریعہ پیش کردہ بل کا ہوا تھا، بعد میں کانگریس نے اسے اپنا انتخابی مُدّا بنایا اور وعدہ کیا کہ ہماری حکومت آئے گی تو ہم اس قانون کو ختم کر دیں گے، حکومت بھاجپا کی آگئی اور بھاجپا والے جنہوں نے اس قانون کے تحت اذیتیں جھیلی تھیں اپنا کرب بھول کر ملکی مفاد کے عنوان سے اسے باقی رکھنے کے اپنے ارادے کا اعلان کر دیا، واقعہ یہ ہے کہ ہر دور میں حکومتوں نے اپنے تحفظ کے لیے اس قانون کی عصمت کو تار تار کیا ہے۔

مشہور وکیل کپل سبل نے سپریم کورٹ کو موجودہ صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اس وقت پورے ملک میں آٹھ سو سے زیادہ مقدمات عدالتوں میں زیر التواہیں اور تیرہ ہزار لوگ آئی پی سی دفعہ ۱۲۴/اے کے تحت جیلوں میں بند ہیں، اس قانون کے غلط استعمال کے واقعات اس قدر زائد ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے، اس قانون کا استعمال ڈرامہ میں شامل چھوٹے نابالغ بچوں، فیس بک پوسٹ کو پسند کرنے، سنیما گھروں میں قومی ترانہ بجائے جانے کے وقت کھڑے نہ ہونے پر بھی کیا گیا ہے۔

۲۰۱۲ء میں کوڈن کولم میں ایٹمی تنصیبات کی مخالفت کرنے والوں پر اجتماعی طور پر اس قانون کے سہارے ایف آئی آر درج کیا گیا، نو سو لوگ اس کی زد میں آئے، ۲۰۱۷ء میں پتھل گڑی تحریک جھارکھنڈ سے جڑے دس ہزار لوگوں کو اس قانون کے سہارے مقدمہ سے گذرنا پڑا، تحریک کاروں میں ارون دھتی رائے، وینا یک سین، ہاردک پٹیل، دشاروی، سدھا بھاردواج، کنہیا کمار، عمر خالد، عائشہ سلطانہ کے ساتھ ذرائع ابلاغ کے کئی لوگ اس قانون کی گرفت میں آئے جن میں اسیم ترویدی منال پانڈے، راجدیپ سرڈیسائی، ونو دوا کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

صرف ۲۰۱۵ء سے ۲۰۲۰ء کے درمیان چھ سال میں بغاوت اور غداری کے اس قانون کے تحت پانچ سو اڑتالیس (۵۴۸) افراد پر مقدمات کیے گیے اور تین سو چھپن (۳۵۶) افراد کو گرفتار کیا گیا، لطیفہ یہ ہے کہ ان میں سے سات (۷) مقدمات میں صرف بارہ (۱۲) آدمی پر ہی جرم ثابت ہو سکا اور وہ سزا یاب ہوئے، اعداد و شمار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰۱۵ء میں تیس (۳۰) ۲۰۱۶ء میں پینتیس (۳۵) ۲۰۱۷ء میں اکاون (۵۱) ۲۰۱۸ء میں ستر (۷۰) ۲۰۱۹ء میں ننانوے (۹۹) اور ۲۰۲۰ء میں چوالیس (۴۴) افراد گرفتار ہوئے، ۲۰۱۴ء کے بعد سے اس کا استعمال عام طور سے اٹھارہ (۱۸) سے تیس (۳۰) سال کے مسلم نوجوانوں پر کثرت سے کیا گیا، اس کے علاوہ مودی حکومت نے اس قانون کا استعمال اظہار رائے کی آزادی کو سلب کرنے، بی جے پی کے خلاف اٹھنے والی آواز کو دبانے اور آر ایس ایس کی غیر قانونی سرگرمیوں کے خلاف جو لوگ تھے ان کو کچلنے کے لیے کیا اور اس کی زد میں طالب علم، رضا کار تنظیموں کے افراد، سیاسی مخالفین، صحافی وغیرہ سب آئے، سپریم کورٹ کے اس فیصلے سے ان لوگوں کو اب راحت ملنے کی امید ہے۔

یہ صورت حال اس وقت ہے، جب ۱۹۶۲ء میں ہی سپریم کورٹ نے اس قانون کے غلط استعمال پر روک لگانے کے لیے کئی ہدایات دی تھیں، ضرورت ہے کہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے مختلف مقدمات میں جو تبصرے کیے ہیں اور ہدایات دی ہیں، اس کی روشنی میں اس قانون کو رد کر دیا جائے؛ تاکہ ملک میں جمہوریت باقی رہ سکے۔

شیریں ابو عاقلہ کا قتل

الجزیرہ نشریاتی ادارہ کے عربی زبان کے چینل کے لیے کام کرنے والی شیریں ابو عاقلہ ہمارے درمیان نہیں رہیں، اسرائیلی فوج نے فلسطین پر ہو رہے ظلم و تشدد کی رپورٹنگ کرتے ہوئے ۱۱/ مئی ۲۰۲۲ء کو مقبوضہ مغربی کنارے پر اسے گولی ماردی، یہ گولی ان کے سر میں لگی اور وہ وہیں پر جاں بحق ہوگئیں، رملہ کے کنسلٹنٹ ہسپتال میں پوسٹ مارٹم اور تجہیز و تکفین کے بعد فلسطینی پرچم میں لپیٹ کر انہیں گارڈ آف آنر پیش کیا گیا، اور پھر ان کا جسد خاکی سرکردہ شخصیات کے قافلہ کے ساتھ بیت المقدس منتقل کیا گیا، جہاں فلسطینی ہلال احمر کے ذمہ داروں نے اسے وصول کیا، ان کی تدفین باب الخلیل کے رومن کیتھولک چرچ کے صہیونی قبرستان میں عمل میں آئی، اس واقعہ میں یروشلم میں مقیم القدس اخبار کے لیے کام کرنے والے ایک صحافی کے زخمی ہونے کی بھی خبر ہے۔

اسرائیل کے اس حرکت کی عالمی پیمانے پر مذمت ہو رہی ہے، جنگی قانون میں جن چند طبقات پر حملہ نہ کرنے کا ذکر ہے ان میں ایک صحافی بھی ہیں، شیریں ابو عاقلہ کا شمار جرأت مند صحافیوں میں ہوتا تھا، انہوں نے حقائق سامنے لانے کے لیے کبھی اپنی جان کی پرواہ نہیں کی، وہ مسلسل فلسطینیوں پر مظالم کے خلاف آواز اٹھاتی رہی تھیں، اس آواز کو خاموش کرنے کے لیے اسرائیلی افواج نے یہ مذموم حرکت کی، جس وقت ان کو گولی ماری گئی اس وقت انہوں نے پریس کا بیج لگا رکھا تھا، اس کا مطلب ہے کہ اسرائیلیوں نے اسے جان بوجھ کر گولی ماری، اس حادثہ کے بعد پہلے تو اسرائیلی یہ کہتے رہے کہ اسے فلسطینیوں نے ہی گولی ماری، پھر جب حقائق سامنے آنے لگے تو اسرائیلی حکومت نے اس واقعہ کی مشترکہ جانچ کا حکم دے دیا ہے، جس میں فلسطین اور اسرائیل کے نمائندے شریک ہوں، لیکن فلسطین کے صدر محمود عباس نے اس تجویز کو رد کر دیا ہے اور کہا کہ یہ ایک سنگین نوعیت کا جرم ہے، ہم اس معاملہ کو عالمی فوجداری عدالت میں لے جائیں گے تاکہ اس واقعہ سے مجرموں کو سزا دلائی جاسکے، مشترکہ جانچ ہو یا عالمی فوجداری عدالت میں مقدمہ یہ لوگوں کی آواز کو خاموش کرنے کا ایک طریقہ ہے، ورنہ سبھی جانتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات میں جانچ کے ذریعہ مجرمین کو کلین چٹ دینا یا پھر لیپا پوتی کر کے بات کو ختم کرنا ہوتا ہے، اس لیے اسرائیل کے ذریعہ اس جانچ کے بعد بھی شیریں ابو عاقلہ کو انصاف ملتا نظر نہیں آتا کم از کم اتنا ہی ہو جائے کہ آئندہ صحافیوں پر حملے نہ ہوں تو بھی ہم کہہ سکیں گے کہ شیریں ابو عاقلہ کی موت نے دوسروں کو تحفظ فراہم کرنے کا کام کیا ہے۔

اسرائیلیوں کو یہ بات جان لینی چاہیے کہ ایک شیریں ابو عاقلہ کے قتل سے وہ حق کی آواز کو دبا نہیں سکتے، جس کا تجربہ وہ برسوں سے کرتے آرہے ہیں، یہ قوم ابھی بانجھ نہیں ہوئی ہے، ایک مرتا ہے تو دوسرے کئی اس کی جگہ لے لیتے ہیں، شیریں ابو عاقلہ کے معاملہ میں بھی ایسا ہی ہوگا، شیریں کے کاز کے لیے بہت سے صحافی کھڑے ہوں گے اور اسرائیلی بربریت کی تصویر پہلے سے کہیں زیادہ نمایاں ہو کر عالمی برادری کے سامنے آئے گی۔

Scanned with CamScanner

یادوں کے چراغ

: مولانا سید فضیل احمد ناصری

مرا یار مجھ سے بچھڑ گیا

کل صبح سوا آٹھ بجے میں امتحان ہال میں بیٹھا تھا کہ اچانک محترم جناب مولانا ابوطلحہ مبارکپوری صاحب کی کال آئی۔ گھبراتے ہوئے پوچھ رہے تھے کہ مولانا سعدان صاحب کے بارے میں کچھ معلوم ہوا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگے کہ ان کے انتقال کی خبر آ رہی ہے، لیکن خبر ابھی مصدقہ نہیں ہے، اس لیے ابھی عام نہ کیجیے گا۔ میں ان کے گھر جا رہا ہوں، تحقیقی صورتِ حال فون پر بتا دوں گا۔ میں نے کہا: بہت اچھا۔ مولانا مبارکپوری کی اس حیران کن اور تذبذب آفریں گفتگو سے مجھے دھچکا لگا اور دعا کرنے لگا کہ الٰہی! خبر غلط ہو۔ پھر میں نے مولانا سعدان ہی کے نمبر پر فون لگایا تو وہ سوئچ آف جا رہا تھا، پھر انہیں کے دوسرے نمبر پر کال کی تو ان کے بھتیجے نے اٹھایا۔ میں نے پوچھا کہ مولانا سعدان صاحب کیسے ہیں؟ کہنے لگا کہ گزر گئے۔ میں نے فون رکھ دیا۔ جامعہ کے بعض اساتذہ میرے قریب ہی تھے، میں نے انہیں خبر دی۔ ہر ایک کے چہرے پر بارہ بجنے لگے۔ سب کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ لبوں پر استرجاع کا ورد چل پڑا۔

ہائے! کیا بتاؤں میرے دل پر کیا گزری! دل و دماغ ہرن ہو کر رہ گئے۔ پورا وجود لرز گیا۔ میں، مولانا صغیر احمد پرتاب گڑھی اور مولانا عبید انور شاہ صاحبان ان کے گھر پہونچے تو تعزیت کرنے والوں کی آمد کا سلسلہ ابھی شروع ہی ہوا تھا۔ دارالعلوم کے اساتذہ رفتہ رفتہ آ رہے تھے۔ ہم لوگ بیٹھک میں بیٹھ گئے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں استاذِ گرامی حضرت مولانا ریاست علی بجنوری صاحبؒ اپنی مجلسیں جمایا کرتے اور دیوبند کی سرکردہ علمی شخصیات چاند کے گرد ہالے کی طرح انہیں گھیرے رہتیں۔ تھوڑی ہی دیر میں مرحوم بجنوری استاذ کے بڑے صاحب زادے مولانا محمد سفیان صاحب نے زیارت کے لیے اندرونِ خانہ آنے کا اشارہ کیا۔ ہم پہونچے تو دیکھا کہ میرا یار موت کی چادر تانے سب سے بے خبر سو رہا ہے۔ میری آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی پہلے ہی تھیں، اب صبر کا باندھ بھی ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اشکوں کی ندیاں رواں ہو گئیں۔ دارالعلوم کے استاذ مولانا محمد سلمان بجنوری صاحب تو بلک بلک کر رو رہے تھے۔ کیوں نہ روتے، وہ ان کے نسبتی بھائی تھے۔ انہوں نے ہی بتایا کہ مولانا سعدان کہتے تھے کہ میری عمر زیادہ نہیں ہے۔ شاید انہیں اس کا ادراک ہو چلا تھا۔ وہ گئے بھی تو اس حال میں کہ ان کے سر کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔ داڑھی بھی جوں کی توں ان کے شبابی رنگ میں تھی۔

مرحوم دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ حدیث حضرت مولانا ریاست علی بجنوری صاحبؒ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ ان کی عمر پچاس کے آس پاس تھی۔ وہ میرے درسی ساتھی تھے۔ 1996 سے 1998 تک ہم دونوں نے ایک ساتھ دارالعلوم میں پڑھا۔ دارالعلوم میں میرا پہلا سال ششم اولیٰ میں گزرا، اس جماعت میں حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کے بیٹے مولانا ابراہیم پالن پوری کے ساتھ مولانا سعدان بھی تھے۔ نہایت خوب صورت۔ کڑیل نوجوان۔ ٹھوس بدن۔ چہرہ شعلے کی طرح روشن۔ داڑھی بھرپور۔ کسی نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا ریاست علی بجنوری صاحب کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ اساتذہ ان کا بڑا خیال رکھتے۔ موصوف بھی اپنے قدیم ساتھیوں میں ہر دل عزیز۔ نئے رفقا سے بھی بے تکلف ہونے لگے تھے۔ ہم دونوں کی نشست آس پاس ہی تھی۔ رفتہ رفتہ تعلق ہوا۔ میں اس وقت 17 سال کا تھا۔ جسم و جثہ بھی قدرے ہلکا ہی تھا۔ بڑی عمر کے بعض رفقا کبھی کبھی مجھے پریشان کر دیتے۔ یہ صورتِ حال میں نے بھائی سعدان کو بتا دی۔ چشم زدن میں انہوں نے بھی ان سے نمٹ ہی لیا۔ میری الجھن دور ہو گئی۔ دراصل دوسروں کی مدد ان کی خاص ادا تھی۔ اگلے سال وہ ہفتم اولیٰ میں تھے اور میں ہفتم ثالثہ میں۔ دورۂ حدیث میں پھر اجتماع ہو گیا۔

دورۂ حدیث کے سال جو خاص واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ اس سال دارالعلوم کے انتظامیہ کی جانب سے ڈائری پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ اس سے پہلے لگاتار کئی برسوں سے ڈائریاں چھپ رہی تھیں، جن میں طلبۂ دورۂ حدیث کے نام اور مکمل پتے ہوتے تھے۔ انتظامیہ کے اس فیصلے سے ہم لوگ حیران تھے۔ مولانا سعدان نے کہا کہ میں کوشش کرتا ہوں۔ انہوں نے کوشش کی، مگر بات جہاں تھی، وہیں اٹکی رہی۔ فائدہ اتنا ہوا کہ انتظامیہ کا فیصلہ کسی نہ کسی درجے میں بدلا۔ ڈائری تو نہیں، تاہم الوداعی ترانوں و تاثرات پر مشتمل مختصر رسالے کی اجازت مل گئی، چناں چہ وہی چھپا، جسے میں نے نغمہ ہائے فراق کا نام دیا تھا۔ اس کی بیش تر کتابت میری ہی تھی۔ چند ترانے بھی میرے قلم سے تھے۔ ایک ترانہ مولانا سعدان کا بھی تھا، جو بہت مقبول ہوا تھا۔ دورۂ حدیث کے بعد میں تو وطن چلا گیا اور سعدان صاحب نے ایک سال افتا میں بھی لگایا۔

فراغت کے بعد پھر ان سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔ 2008 میں جب میں جامعہ امام محمد انور شاہ سے وابستہ ہوا تو مختصر تعارف کے بعد وہ پہچان گئے۔ اب ان سے روز کی ملاقاتیں تھیں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے باتیں کرتے۔ اعلیٰ اخلاق اور خوش مزاج طبیعت کے مالک تھے۔ شخصیت بڑی باغ و بہار پائی تھی۔ فطرت میں ظرافت بہت تھی۔ خوب ہنستے ہنساتے تھے۔ اساتذہ کی نقل بھی خوب کر لیتے تھے۔ حضرت مفتی سعید صاحب، مولانا نور عالم امینی صاحب اور مولانا ارشد مدنی صاحب کا لہجہ انہیں خوب آتا تھا۔ بڑی صفائی اور مہارت سے ان کے طرزِ تکلم کی خوب محاکات کرتے۔ جامعہ میں وہ اکلوتے شخص تھے جن سے میرا تعلق درس کی رفاقت کا رہا ہے۔ اس نسبت سے خوب دل لگی کرتے اور کہتے کہ دیکھو فضیل! اس وقت جامعہ میں ہم دو ہی ساتھی ہیں، میرے سے زیادہ خیر خواہ تیرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان کے اس جملے سے میں بھی خوب حظ اٹھاتا۔

سعدان صاحب اپنے تین بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے۔ بڑے بھائی مولانا محمد سفیان ہیں اور دوسرے بھائی مولانا عدنان۔ عدنان صاحب امریکہ میں رہتے ہیں۔ وہ آ نہیں سکے۔

مولانا مرحوم خَلقاً و خُلقاً اپنے والد کے مشابہ تھے۔ نام ان کا سعدان سین کے زبر کے ساتھ تھا، مگر ہدایۃ النحو کی ایک عبارت: فسعدان اسم نبتٍ نے انہیں سُعدان کر دیا۔ وہ اپنے نام کے ساتھ سین پر پیش لگانا نہ بھولتے۔ اپنے والد ہی کی طرح بڑے شریف النفس اور درد آشنا دل کے حامل تھے۔ ابا کی وفات کے بعد ان کے متوسلین سے رابطہ نہیں توڑا۔ سخاوت میں اپنے ہم عمروں میں قابلِ رشک حد تک بڑھے ہوئے۔ نئے نئے نوٹوں کی گڈیاں جیب میں لیے رکھتے تھے اور کوئی غریب ملا تو فوراً اس کی دستگیری کر ڈالتے۔ ہمدردی و غمگساری ان کی عادتِ ثانیہ تھی۔ اس کے گواہوں میں خود میں بھی شامل ہوں۔ تین مواقع پر مجھے ان کی ضرورت پڑی، انہوں نے بر وقت مدد کی، مگر ان کا ایک اصول تھا۔ وہ بلا رو رعایت صاف صاف کہتے کہ یہ رقم کب تک اور کس تاریخ تک لوٹاؤ گے؟ جب پوری یقین دہانی کرا دی جاتی تب وہ رقم تھماتے۔ اللہ کا فضل ہے کہ ہر بار میں نے اپنے وعدے کا ایفا کیا۔ میرے علم میں کئی ایسے واقعات ہیں، جن سے ان کی کشادہ دستی، کرم نوازی، سیر چشمی نمایاں ہے۔ جامعہ ہی کے کئی اساتذہ ان کی اس فیاضی اور داد و دہش کے شاہد ہیں۔

وہ بار بار کہتے تھے کہ بھائی! تم بھی عجیب ہو، نہ تو خود میرے گھر پر آتے ہو، نہ مجھے بلاتے ہو۔ میں نے کہا کہ بھائی! آپ کا اور میرا کیا جوڑ ہے! آپ سلیماں جاہ اور میں بے آب و گیاہ۔ کہنے لگے کہ لفاظی چھوڑو! تمہیں میرے یہاں اہلِ خانہ کے ساتھ آنا ہی پڑے گا۔ ان کے اصرار پر ایک دن فیملی کے ساتھ پہونچا تو حسبِ عادت بڑی ضیافت کی اور خوش ذائقہ مٹھائیوں و لوازمات سے کام و دہن کا سامان کیا۔ ایک دن کہنے لگے کہ مجھے کیوں نہیں دعوت دیتے؟ میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز آپ کے شایانِ شان نہیں، کیسے ہمت کروں؟ کہنے لگے: اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے اپنا دوست نہیں مانتے۔ میں نے کہا: جب ایسا ہے تو کل ناشتے پر تشریف لائیں! وہ آئے۔ میں نے بہ اندازۂ ہمت ان کی خاطر تواضع کی، حالانکہ ضیافت بس ایسی ہی تھی، مگر اتنی تعریف کی کہ کیا بتاؤں! جاتے جاتے بچوں کے عنوان پر زبردستی ہدیہ بھی دینے لگے۔ میں نے منع کیا تو مولانا ابوطلحہ صاحب کہنے لگے کہ قبول کر لیجیے! یہ ان کا مزاج ہے۔ میں نے لے لیا، مگر اس کے بعد پھر ان کی دعوت نہیں کی۔ مجھے لگتا تھا کہ اس سے طمع کی جانب اشارہ ہو گا۔ وہ بار بار کہتے رہے اور میں ہنس کر ٹالتا رہا۔

مولانا جس مجلس میں ہوتے مرکزِ توجہ ہو جاتے۔ مختلف موضوعات پر جاندار تبصرے، خوب صورت اور لطیف طنز، صاف ستھری بے لاگ گفتگو ان کا نشانِ امتیاز تھی۔ سب سے مل کر رہتے اور گروہ بندی سے گریزاں۔ ان کا ادبی ذوق بھی بڑا ستھرا اور نکھرا تھا۔ اچھے اور خوب صورت اشعار انہیں خوب یاد تھے اور جب رو میں ہوتے تو ایک سانس میں کئی کئی اشعار پڑھتے ہوئے چلے جاتے۔ ایک دن ان کی تحریک پر میں حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی بجنوری صاحبؒ کی مجلس میں گیا۔ کئی اور علمی شخصیات کے ساتھ مولانا سعدان بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے بلند الفاظ میں میرا تعارف کرایا اور کہا کہ یہ میرے درسی ساتھی فضیل احمد ناصری ہیں اور جامعہ امام محمد انور شاہ میں پڑھاتے ہیں۔ مولانا نے سنتے ہی فرمایا: اچھا آپ ہی ناصری صاحب ہیں۔ آپ سے ملاقات ہر ماہ ہو جایا کرتی ہے۔ محدثِ عصر میں آپ کا دیدار ہوتا رہتا ہے۔ پھر کافی باتیں ہوئیں۔ اگلے دن مولانا سعدان ملے اور کہنے لگے کہ فضیل! تمہارے سلسلے میں والد صاحب کے جملے بڑے وقیع ہیں۔ انہوں نے تمہارے قلم کی تعریف کی ہے۔

ان کا انتخاب بہت اعلیٰ تھا۔ ان کے ہاتھ کی گھڑی ہو یا برسات کی چھتری، حسنِ مذاق کا اعلیٰ نمونہ ہوتی۔ پوشاک میں، خوراک میں، بود و باش میں نزہت و بہجت کا خوب لحاظ رکھتے۔ نستعلیقیت اور نفاست ان کی جان تھی۔ ہمیشہ کڑک اور کلف دار کپڑے پہنتے اور روز ہی تبدیل کرتے۔ ان کے لباس میں شکن کا کوئی گزر نہیں تھا۔ عطر بھی اعلیٰ معیار کا ہوتا۔ جس مجلس اور راستے سے گزر جاتے، خوشبوؤں سے بھر جاتی۔

مولانا نے بیس سال جامعہ میں پڑھایا۔ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ سے انہوں نے لکھوا لیا تھا کہ میری حاضری صرف صبح کی ساعتوں میں رہے گی، چناں چہ ان کے گھنٹے صبح کے ساتھ ہی مخصوص تھے۔ طلبہ پر ان کا خاصا اثر تھا۔ تفہیم زبردست تھی۔ بر وقت اور بہترین مثالیں تخلیق کرتے اور اپنا مدعا طلبہ کو سمجھاتے۔ اول سے پنجم تک کی کتابیں ان سے متعلق رہیں۔ پنجم میں عموماً عقیدۃ الطحاوی اور آثار السنن پڑھاتے۔

وہ طلبہ پر مادرِ مشفق کی طرح بڑے مہربان تھے۔ ان کی ضرورتوں کا خوب خیال رکھتے۔ بعض طلبہ کے سالانہ اخراجات اپنے ذمے لے لیتے اور جب تک وہ طلبہ جامعہ میں پڑھتے، ان کی مکمل کفالت کا بھرپور انتظام کرتے۔ وہ طلبہ انتہائی مخدوش گھرانے اور مفلوک الحال پس منظر کے باوجود اپنی بود و باش میں مولانا کے گھر کے ہی افراد معلوم ہوتے۔ سردی کے مہینوں میں ان کا ہاتھ اور زیادہ کھل جاتا، درس گاہوں میں فرش کی گرمی کا خوب انتظام کرتے۔

مولانا کی صحت بڑی قابلِ رشک تھی، مگر ادھر چند سالوں سے بری طرح متاثر رہنے لگی۔ 2010 میں ان کے پتے کا آپریشن ہوا، وہ کامیاب نہ رہا، چند ماہ کے بعد دوبارہ آپریشن ہوا، وہ بھی برائے نام ہی کامیاب تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ جب وہ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ پیٹ جسم سے الگ ہو کر گر پڑے گا۔ اونچائی پر چڑھنا ان کو منع ہو چکا تھا، مگر اپنی وضع قطع، گفتگو اور چال ڈھال سے پتہ چلنے نہیں دیتے تھے۔

مولانا کی شادی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کے متولی حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی کی دوسری لڑکی سے ہوئی تھی، جن سے تین بچیاں اور ایک بچہ ہے۔ بچیوں کے نام بالترتیب اروٰی، حلیمہ اور عناویہ ہیں۔ بچے کا نام حیان ہے۔ یہ تمام بچے نابالغ اور بہت چھوٹے ہیں۔ سب سے چھوٹی لڑکی ڈھائی سال کی ہے۔

جنازے کی نماز دارالعلوم کے احاطۂ مولسری میں پونے تین بجے ہونی تھی۔ میں اور مولانا صغیر صاحب دو بجے ہی ان کے گھر پہونچ گئے۔ دیکھا تو پوری گلی اور ان کا گھر علما و صلحا سے بھرا پڑا تھا۔ ان کے دوست احباب، ان کے محبین و مخلصین جماؤڑا لگائے بیٹھے تھے اور اپنے ممدوح کی جدائی پر آنکھیں نم کیے ہوئے تھے۔ ان کے دل ویران اور چہرے خزاں آشنا۔ پوری فضا اندوہ و الم کی ہیبت ناک تصویر۔ ڈھائی بجے ان کی میت اٹھائی گئی۔ آہ! کیا بتاؤں دل پر کیا گزری! جگر کی قاشیں ہو رہی تھیں۔ ڈولی آگے بڑھی تو اسے ہاتھ لگانے کی سعادت میرے حصے میں بھی آئی۔ بھیڑ اس قدر تھی معلوم ہوتا تھا کہ کسی شیخِ وقت نے ارتحال کیا ہے۔ بعدِ نمازِ ظہر دارالعلوم کے استاذ حضرت مولانا محمد سلمان بجنوری صاحب زید مجدہم نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ ہزاروں سوگواروں نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ پھر جنازہ بڑی آہستگی سے آخرت کی پہلی منزل کی جانب بڑھنے لگا۔ ہجوم و ازدحام بڑا دیدنی تھا۔ اتنی بڑی تعداد تو ان کی شادی میں بھی نہیں تھی۔ قبرستانِ قاسمی پہونچا تو انہیں مٹی دینے والے یہاں بھی جمگھٹا لگائے کھڑے تھے۔ مولانا سلمان صاحب کہہ رہے تھے کہ والدین کے پہلو میں مولانا کو جگہ ملی ہے۔ میں نے تعیین معلوم کی تو مولانا نے بتایا کہ پچھّم جانب تو حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی بجنوری آرام فرما ہیں، ان سے متصل پورب میں والدہ ماجدہ اور ان سے متصل یہ مولانا سعدان ہیں۔ میں نے مٹی ڈالی اور کس دل سے ڈالی! پیچھے پلٹا تو سعدان بھائی کے برادرِ نسبتی مولانا سید حذیفہ نجم تھانوی سعدان بھائی کے اکلوتے بیٹے حیان سلمہ کے ساتھ کھڑے تھے۔ انہوں نے مجھے اشارے سے بتایا کہ یہ مرحوم کا بچہ ہے۔ معصوم کو دیکھ کر دل کی جو کیفیت ہوئی کیا عرض کروں۔ میں ہاتھ نچاتا رہ گیا۔ چھ سات سال کا یہ معصوم کیا جانے کہ اس پر کون سی قیامت گزری ہے! بوجھل قدموں سے واپس آیا تو مرحوم کی یادیں ایک فلم کی طرح چل رہی ہیں اور مسلسل چلتی جا رہی ہیں۔ میرے اور مولانا کے بیچ ایک بڑی دیوار حائل ہو گئی ہے۔ نگاہیں پھر اسی تبسم، قہقہہ اور دل لگی کو تلاش رہی ہیں۔ دل انہیں ظرافتوں، دل نواز اداؤں اور بہار بر دوش لہجوں کو ڈھونڈ رہا ہے۔ اب میں ہوں اور بہادر شاہ ظفر کا یہ شعر:

مرا رنگ روپ بگڑ گیا، مرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا، میں اسی کی فصلِ بہار ہوں

کروڑوں رحمتیں ان کے مرقد پر۔

Scanned with CamScanner

حکایات اہل دل

ذکر حبیب نے تڑپا دیا دل

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بکریوں کا ریوڑ چرا رہے تھے کہ ایک آدمی قریب سے گزرا، گزرتے ہوئے اس نے اللہ تعالیٰ کی شان میں یہ الفاظ ذرا بلند آواز سے کہے: "سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزة والعظمة والهيبة والقدرة والكبرياء والجبروت" (پاک ہے وہ زمین کی بادشاہی اور آسمان کی بادشاہی والا پاک ہے وہ عزت بزرگی ہیبت اور قدرت والا اور بڑائی ودبدبے والا ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے محبوب کی تعریف اتنے پیارے الفاظ میں سنی تو دل مچل اٹھا، فرمایا کہ اے بھائی یہ الفاظ ایک مرتبہ اور کہہ دینا، اس نے کہا کہ مجھے اس کے بدلے کیا دیں گے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا آدھا ریوڑ، اس نے یہ الفاظ دوبارہ کہہ دیئے، آپ کو اتنا مزہ آیا کہ بے قرار ہو کر فرمایا اے بھائی یہ الفاظ ایک مرتبہ پھر کہہ دیجئے اس نے کہا اب مجھے اس کے بدلے کیا دیں گے؟ فرمایا بقیہ آدھا ریوڑ، اس نے یہ الفاظ سہ بارہ کہہ دیئے، آپ کو اتنا سرور ملا کہ بے ساختہ کہا اے بھائی الفاظ ایک مرتبہ اور کہہ دیئے اس نے کہا اب تو آپ کے پاس دینے کے کچھ بچا نہیں اب آپ کیا دیں گے؟ فرمایا اے بھائی میں تیری بکریاں چرایا کروں گا، تم ایک مرتبہ میرے محبوب کی تعریف اور کر دو، اس نے کہا حضرت ابراہیم خلیل اللہ آپ کو مبارک ہو، میں تو فرشتہ ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ جاؤ اور میرا نام لو اور دیکھو کہ وہ میرے نام کے کیا دام لگاتا ہے، سبحان اللہ (عشق الٰہی، ص: ۳۱)

اک دم بھی محبت چھپ نہ سکی — جب تیرا کسی نے نام لیا
جان دی دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

عالمگیر اور بہروپیہ

جب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی تخت نشینی کا جلسہ ہوا تو کام کے لوگوں کو عطایا دیئے گئے، ایک بہروپیہ بھی مانگنے آیا، مگر عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ عالم تھے، اس کو کس مد سے دیتے اور ویسے صاف انکار کرنا بھی آداب شاہی کے اعتبار سے نازیبا معلوم ہوا، چپکے سے ٹالنا چاہا، اس سے کہا کہ انعام کسی کمال پر ہوتا ہے، تمہارا کمال ہے کہ نا آشنا صورت میں آؤ، مگر وہ بھی بھیس بدل کر آیا، بادشاہ نے پہچان لیا، کبھی دھوکہ نہیں کھایا کہ جس روز دھوکہ دیدے گا، انعام کا مستحق ٹھہرے گا، اتفاق سے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو سفر دکن کا درپیش تھا، بہروپیہ داڑھی بڑھا کر، بزرگوں کی صورت بنا کر راستہ میں کسی گاؤں میں جا بیٹھا، کچھ روز کے بعد شہرت ہوگئی، عالمگیرؒ کی عادت تھی کہ جہاں جاتے تھے علماء وفقراء سے برابر ملتے تھے، چنانچہ جب اس مقام پر پہنچے، وہاں شہرت سن کر اول وزیر کو اس کے پاس بھیجا، وزیر نے کچھ مسائل تصوف کے پوچھے اس نے سب کے جواب معقول دیئے، بات یہ تھی کہ اس وقت بہروپئے ہر فن کو قصداً حاصل کرتے تھے، وزیر نے عالمگیرؒ سے بہت تعریف کی، عالمگیرؒ خود ملنے گئے، آپس میں خوب گفتگو رہی اور خوب سمجھ لیا کہ شاہ صاحب کامل شخص ہیں، چلتے وقت اشرفیاں بطور نذر پیش کیں، اس نے لات ماری اور کہا کہ تو اپنی طرح ہم کو بھی سگ دنیا خیال کرتا ہے اس سے اور بھی اعتقاد بڑھا، واقعی استغنا عجیب چیز ہے، عالمگیرؒ لشکر میں واپس چلے آئے، پیچھے پیچھے بہروپیہ پہنچا کہ لائیے انعام، خدا حضور کو سلامت رکھے، بادشاہ نے کہا، ارے تو تھا، غرض انعام دیا مگر معمولی اور کہا کہ اس وقت جو پیش کیا تھا اس کو کیوں نہیں لیا وہ تو اس سے بہت زیادہ تھا اور میں اس کو واپس تھوڑا ہی لیتا، اس نے کہا کہ حضور اگر میں لیتا تو نقل صحیح نہ ہوتی، کیونکہ وہ فقیری کا روپ تھا اور فقیر کی شان کے خلاف تھا۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم کا واقعہ

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ جب سلطنت ترک کر کے چلے گئے تو ارکان دولت میں مشورہ ہوا کہ کسی طرح ان کو لانا چاہئے، وزیر گیا، دیکھا کہ آپ گدڑی اوڑھے ہوئے بیٹھے ہیں، عرض کیا کہ حضور سلطنت تمہیں مبارک ہو، مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی سلطنت عطا فرمادی ہے، اس کے بعد آپؒ نے اپنی سوئی گدڑی سے نکال کر دریا میں پھینک دی اور وزیر سے کہا کہ میری سوئی دریا میں سے نکلوا دو، وزیر نے بیشمار آدمیوں کو دریا میں داخل کر دیا، وہاں سوئی کا پتہ کہاں، آپ نے فرمایا کہ اچھا اب ہماری سلطنت دیکھو یہ کہہ کر مچھلیوں کو مخاطب کیا کہ اے مچھلیو! میری سوئی لاؤ، صدہا مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں کوئی سوئی سونے کی، کوئی چاندی کی سوئی لے کر حاضر ہوئی، آپؒ نے فرمایا کہ میری وہی لوہے کی سوئی لاؤ؟ ایک مچھلی وہی لوہے کی سوئی لے کر نکلی آپؒ نے وزیر کے سامنے ڈال دی اور فرمایا کہ دیکھی میری سلطنت! تمہیں اپنی سلطنت پر بڑا ناز ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب قصہ

ایک دفعہ دریائے نیل خشک ہوگیا، ہمیشہ چڑھا کرتا تھا، اسی سے آبپاشی ہوتی تھی اس دفعہ نہ چڑھا، عمرو بن العاصؓ یا عبداللہ بن عمر بن العاص عامل تھے، لوگوں نے آ کر عرض کیا، آپؓ نے فرمایا کبھی پہلے بھی ایسا ہوا ہے، تو تم کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ جب ایسا ہوتا ہے تو ہم ایک جوان حسین لڑکی بھینٹ کر دیتے ہیں۔ اس سے وہ جاری ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت کی رسم اسلام میں کبھی نہیں چلے گی، میں خلیفہ کو لکھتا ہوں انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا، حضرت عمرؓ نے نیل کے نام حکم نامہ بھیجا، جس کا مضمون یہ تھا کہ اے نیل! اگر خدا تعالیٰ کے حکم سے جاری ہے تو کسی شیطان کے تصرف سے بند ہونے کے کیا معنی؟ اور اگر یہ نہیں ہے تو ہم کو تیری کچھ پروا نہیں، خدا تعالیٰ ہمارا رازق ہے، آپ کے اس لکھنے پر مخالفین ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ دریا پر بھی حکومت کرتے ہیں، مگر "قلندر آنچہ گوید دیدہ گوید" آپ کو شبہ بھی نہ ہوا کہ ایسا نہ ہوا تو عزت کر کری ہوگی، حضرت عمرو بن العاصؓ اس رقعہ کو اعلان کے ساتھ لے چلے اور مخالفین کا گروہ بھی آپ کے پیچھے چلا، ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ اس رقعہ سے اور دریائے نیل کے جوش سے کیا نسبت، مگر وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈالنا تھا کہ دریا کو جوش آیا اور لبریز ہو کر چلنے لگا۔

فائدہ: جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ کا مطیع ہوتا ہے دنیا کی ہر چیز اس کی اطاعت کرتی ہے۔

درسی دیانت کی انتہا تو دیکھئے

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ایک مرتبہ درس حدیث دے رہے تھے دوران تدریس ایک جگہ ایسا اشکال پیدا ہوا کہ اس کا حل سمجھ میں نہیں آتا تھا، کوئی ہمارے جیسا ہوتا تو وہ ویسے ہی گول کر جاتا، پتہ ہی نہ چلنے دیتا کہ یہ بھی کوئی حل طلب نکتہ ہے، طلبہ کو کیا پتہ، وہ تو پڑھ رہے ہوتے ہیں، یہ تو استاد کا کام ہے کہ بتائے یا نہ بتائے، مگر وہ حضرات امین تھے، یہ علمی خیانت ہوتی ہے کہ استاد کے ذہن میں خود اشکال وارد ہو، جواب بھی سمجھ میں نہ آئے اور طلبہ کو بتایا بھی نہ جائے، ان حضرات سے تو وہ خیانت ہوتی نہیں تھی، چنانچہ آپ نے طلبہ کو برملا بتا دیا کہ اس مقام پر یہ اشکال وارد ہو رہا ہے، مگر اس کا حل سمجھ میں نہیں آ رہا، کافی دیر تک طلبہ بھی خاموش رہے اور حضرت بھی خاموش رہے، آپ بار بار اس کو پڑھ رہے ہیں، کبھی صفحہ الٹ رہے ہیں اور کبھی اس کا حاشیہ دیکھ رہے ہیں، مگر اس کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا، حتی کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے بات سمجھ میں نہیں آ رہی، میں فلاں مولانا سے پوچھ لیتا ہوں، یہ وہ مولانا تھے جو حضرت سے ہی دورۂ حدیث کر چکے تھے، وہ حضرت کے شاگرد تھے، اپنے شاگردوں کے سامنے ان کا نام لیا کہ میں ذرا ان سے پوچھ لیتا ہوں، آپ اٹھنے لگے، اتنے میں ایک طالب علم بھاگ کر گیا اور اس نے جا کر مولانا کو بتا دیا کہ حضرت آپ کے پاس اس مقصد کے لئے آ رہے ہیں، مولانا اپنی کتاب بند کر کے فوراً حضرت کے پاس پہونچے حاضر ہو کر عرض کیا، حضرت! آپ نے یاد فرمایا ہے، فرمایا: ہاں مولانا! یہ بات مجھے سمجھ میں نہیں آ رہی، دیکھو کہ اس کا حل کیا ہے؟ انہوں نے پڑھا اور سمجھ تو گئے، مگر بات یوں کی، حضرت! جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا تو آپ نے ہمیں یہ سبق پڑھاتے ہوئے اس مقام کو اس وقت یوں حل فرمایا تھا اور آگے اس کا جواب دیدیا، اب دیکھیں کہ اپنی طرف منسوب نہیں کیا کہ جی میرا تو علم اتنا ہے کہ اب استاد بھی مجھ سے پوچھنے آتے ہیں، نہیں نہیں وہ صحبت یافتہ تھے، تربیت یافتہ تھے، اس کو کہتے ہیں تصوف اور یہ ہے مٹنا۔

چٹانیں چور ہو جائیں اگر ہو عزم سفر پیدا

محمد بن قاسم کی کیا عمر تھی، ۱۷/ سال، آج سترہ سال کے بچے کو گھر کا سربراہ بنا دیں تو وہ گھر کو ٹھیک طرح سے چلا نہیں سکتا اور وہ سترہ سال کا بچہ کمانڈر انچیف بنا ہوا ہے اور فوج کو لیکر جا رہا ہے کہاں؟ جہاں راجہ داہر کی منظم حکومت تھی میں نے سندھ میں وہ میدان دیکھا جہاں راجہ داہر اور محمد بن قاسم کی لڑائی ہوئی تھی، میں اس کی وسعتوں کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اس وقت میری عجیب کیفیت تھی، میں نے کہا کہ یہ نوجوان کہاں سے چلا، اس کے ساتھ کوئی تربیت یافتہ فوج نہیں تھی، یہ بھی ایک حقیقت ہے بلکہ حجاج بن یوسف نے اسے بلا کر کہہ دیا کہ میری فوج مختلف محاذوں پر مصروف کار ہے، مگر مجھے یہ بات پہونچائی گئی ہے کہ ہماری کچھ عورتیں آ رہی تھیں، راجہ داہر کے ڈاکوؤں نے قافلے کو لوٹ لیا ایک لڑکی نے کہا مجھے بچاؤ مجھے بچاؤ، چنانچہ محمد بن قاسم Cornernee lings کے نوجوانوں کو اکٹھا کیا، یہ پروفیشنل فوجی نہیں تھے، یہ ایمان وجذبہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں، کتابوں میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کے ذہن میں یہ بات اتنی سمائی ہوئی تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے چونک اٹھتا تھا اور کہتا تھا، "لبیک یا اختی، لبیک یا اختی" میری بہن میں حاضر ہوں، میری بہن میں حاضر ہوں، یہ چند نوجوانوں کی جماعت وہاں پہونچی اور راجہ داہر کی لوہے میں ڈوبی ہوئی فوج کے چھکے چھڑا دیئے، پھر یہی نہیں کہ اس کو کنٹرول کر لیا بلکہ اس کو کنٹرول کر کے اپنی سیکنڈ لائن کے ہاتھ میں اس کی کمان دیدی، خود آگے مارچ کر لیا، خود کنٹرول تو کچھ اور بات ہوتی مگر خود اعتمادی اتنی کہ سکنڈ لائن کے حوالہ کر دیا اور پھر آگے چلتے چلتے سندھ سے لے کر ملتان تک اسلام کا پھریرا لہرایا، اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ ہم محنت کو اپنائیں؛ کیونکہ کامیاب زندگی ہمیشہ لگن اور مجاہدے کی زندگی ہوا کرتی ہے۔

مقتدا پھسلا تو سب پھسلے

یہ بات یاد رکھیں کہ علماء کے لئے احتیاط کی زندگی گذارنا زیادہ اہم ہے، حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک چھوٹی بچی نے نصیحت کی جو میں کبھی نہیں بھول سکتا، کسی نے پوچھا کہ حضرت! وہ کونسی نصیحت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بارش کا موسم تھا میں نماز پڑھنے کے لئے مسجد جا رہا تھا، راستہ میں پھسلن تھی سامنے سے ایک چھوٹی سی بچی آ رہی تھی گزرتے ہوئے میں نے اس بچی سے کہا ذرا احتیاط کرنا کہ کہیں پھسل نہ جانا، اس نے آگے سے جواب دیا، حضرت! میں احتیاط کروں گی ہی سہی مگر آپ بھی احتیاط کر لینا، کیونکہ اگر میں پھسلی تو میری ذات کو نقصان ہوگا اور اگر آپ پھسل گئے تو پھر امت کا کیا بنے گا؟ ہمارے لئے بھی یہ بات ایک نصیحت کی ہے آپ حضرات استقامت کے ساتھ شریعت وسنت پر عمل کریں اللہ رب العزت اس علم وعمل کے صدقے دنیا وآخرت میں آپ کو عزتیں عطا فرمائیں گے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو مسئلہ خلق قرآن میں ایسے سخت کوڑے لگائے گئے کہ وہ کوڑے ہاتھی کو بھی لگائے جاتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا، ان کے جسم پر جہاں کوڑے لگے وہاں کا گوشت مردہ ہوگیا، اس گوشت کو قینچی کے ساتھ کاٹ کر وہاں مرہم لگایا گیا، لیکن وہ دین کی حفاظت کے لئے استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔

Scanned with CamScanner

طالبان علم نبوت سے چند باتیں

مولانا محمد ہاشم القاسمی

شوال المکرّم کے مہینے سے دینی مدارس کی دوبارہ رونقیں لوٹ آئی ہیں، علوم دینیہ کے حصول کے جذبات سے سرشار طلبۂ عزیز میل ہا میل کے سفر کی صعوبتوں کو طے کر کے مشفق، والدین اور اعزہ واقرباء کی جدائی کو برداشت کر کے، اپنے وطن میں گزرنے والے شب وروز کی سہولتوں کو ترک کر کے پردیس کی مشکلات کو بصد شوق برداشت کرنے کی نیت سے مدارس کو اپنا وطن بناتے ہیں، اپنے اساتذہ کو اپنے والدین کے قائم مقام، اپنے طلبہ ساتھیوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہوئے حصول علم میں مشغول ہوتے ہیں۔

حصولِ علم میں محنت کے سلسلہ میں ایک مقولہ علماء میں کافی مشہور ہے کہ: ''العلم لایعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک'' علم تم کو اپنا ایک حصہ بھی نہیں دے سکتا جب تک کہ تم پورے طور پر اپنے کو اس کے حوالہ نہ کرو، پچھلے زمانہ میں علماءِ سلف انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں جاں توڑ محنت کرتے تھے، مدارس کی جانب سے آج کی طرح قیام وطعام کا تو تصور ہی نہ تھا، روشنی تک کے لیے پریشان ہوا کرتے تھے، خوراک کے لیے حصولِ معاش کا بھی مسئلہ ہوا کرتا تھا؛ لیکن اس کے باوجود وہ حصولِ علم میں کوشاں رہتے تھے، آج صورت حال یہ ہے کہ جمعہ اور جمعرات کی تعطیل کے اوقات تو گذر ہی جاتے ہیں، ساتھ ہی تعلیم کے ایام میں بھی بڑی بے دردی سے وقت ضائع کیا جاتا ہے، مطالعہ کی عادت اوقات کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے، ابتداء میں مطالعہ بڑا شاق گذرے گا، لیکن چسکہ لگنے کے بعد اس میں سکون ملنے لگے گا۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ طلباءِ مدارسِ اسلامیہ سے خطاب کے دوران خصوصیت کے ساتھ دو چیزوں پر توجہ دیا کرتے تھے، (1) اخلاص، (2) اختصاص، جہاں تک اخلاص کی بات ہے وہ اگر عام لوگوں کے لیے ضروری ہے تو علماء اور طلباء کے لیے اشد ضروری ہے، اخلاص کا اثر جہاں اعمال پر پڑتا ہے، وہیں طلبہ کی استعداد وصلاحیت اور علمی کمال پر بھی پڑتا ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کے کمال کے پیچھے اخلاص ہی کارفرما رہا ہے، طلبہ کو دورانِ تعلیم اخلاص کی عملی مشق کی کوشش کرنی چاہیے، اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے، اس کے لیے ابھی سے کسی شیخِ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے دینا چاہیے، اعمال واخلاص کے سلسلہ میں یہ خیال کہ فراغت کے بعد توجہ دی جائے گی، انتہائی غلط ہے، حضرت تھانویؒ اور ان کے خلفاء خصوصیت کے ساتھ طلبہ کو اس معاملہ میں تاکید فرمایا کرتے تھے، دوسری چیز اختصاص ہے، موجودہ دَور اختصاص کا دَور ہے، اس دَور میں وہی شخص اپنی افادیت ثابت کرسکتا ہے جو کسی فن میں ایسا اختصاص رکھتا ہو اور لوگ اس کے محتاج ہو جائیں، ویسے طلبہ کو ہر کتاب میں محنت کرنی چاہیے، تاہم جس فن سے ان کو خصوصی دلچسپی یا مناسبت ہو، دورانِ تعلیم ہی سے اس پر خصوصی توجہ دینی چاہئے، متعلقہ اساتذہ کی نگرانی میں اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ فراغت تک فن سے غیر معمولی تعلق پیدا ہوگا اور بعد میں مستقل اس کورس میں حصہ لینا بھی آسان ہوگا۔

نئے تعلیمی سال کے آغاز پر طلبہ یہ اور ان جیسی باتوں کا سنجیدگی سے جائزہ لیں، تو بہت ممکن ہے کہ پورے سال کی صحیح قدر ہو اور بہت سی خامیوں کی اصلاح ہو جائے، چوں کہ سال کے آغاز پر طلبہ جو کچھ طے کر لیتے ہیں سال بھر اس کا اثر رہتا ہے، آغازِ تعلیم کے موقع پر بعض کتابوں کا جیسے: پا جا سراغِ زندگی، از مولانا علی میاں ندویؒ (2) آداب المتعلمین، از حضرت قاری صدیق احمد باندوی علیہ الرحمۃ (3) اخلاق العلماء، از امام ابوبکر آجریؒ (4) آپ بیتی، از شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ (5) بنیادِ اصلاح، افادات حضرت حکیم الامتؒ وغیرہ کا مطالعہ بھی بڑا مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

علم حصول کے لئے بڑوں کی خدمت اور اساتذہ سے تعلق بھی ضروری ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، جو مفسرین کے سردار کہلاتے ہیں، وہ فرماتے تھے کہ میرے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کام کر رہی ہے کہ ''اللھم علمہ الکتاب وقہ سوء الحساب'' اے اللہ! اس نوجوان کو قرآن کا علم عطا فرما اور اسے حساب کتاب کی سختی سے محفوظ رکھنا۔ یہ دعا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خدمت اور ادب کی وجہ سے دی تھی، واقعہ یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تیرہ چودہ سال کے بچہ تھے از خود پانی کا لوٹا بھر کر پیچھے چلے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس طرز عمل پر بہت خوش ہوئے اور وضو کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر ان سے پوچھا کہ عبداللہ! تمہارے لیے کیا دعا مانگوں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے قرآن کریم کا علم چاہیے جس پر جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا مانگی۔ اس لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پیچھے تو بلاشبہ حضورؐ کی دعا تھی مگر اس دعا کے پیچھے ان کا یہ شوق تھا کہ مجھے قرآن کریم کا علم چاہیے اور اس کے ساتھ ان کی محنت اور خدمت بھی شامل تھی۔ اس لیے علم کا راستہ شوق، محنت اور خدمت کے ساتھ بزرگوں کی دعاؤں کا حصول ہے۔ اسے ہر حال میں لازم پکڑنا چاہئے۔

مدارس میں انگریزی سکھانے کی ضرورت واہمیت

عبد اللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مدارس دینیہ برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی بقا، دینی شعائر اور اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے دور حاضر میں سب سے کارگر اور مفید دینی ادارے ہیں، اسلام کی جو شکل اس وقت ہندو پاک میں ہمارے سامنے ہے وہ دراصل انہیں مدارس اسلامیہ کا فیضان ہے، اگر یہ دینی مدارس اور اسلام کے مضبوط قلعیے نہ ہوتے تو یقیناً زمانے کی مسموم فضا سے متاثر ہو کر یہ گلستان سدا بہار بھی خزاں آشنا ہو چکے ہوتے، دین اور اسلام کی اصلی اور صحیح سچی تصویر ہندو پاک سے ناپید ہو چکی ہوتی، ہندوستانی تاریخ میں ایک ایسا خطرناک دور آیا ہے، جب علماء اسلام نے اسلام اور دینی شعائر کے تحفظ کے لئے باقاعدہ غور وفکر کر کے ایک تحریک کی شکل میں مدارس اسلامیہ کے قیام کا فیصلہ فرمایا اور وقت کے اہم تقاضے کو پورا کیا اور ماحول وزمانے میں غیر اسلامی افکار ونظریات کو خلل انداز نہ ہونے دیا، جس طرح اصحاب کہف نے حالات وزمانے کی خرافات سے بچنے کے لئے اور اپنے دین وعقائد کو محفوظ رکھنے کے لئے غار کے اندر پناہ لے لی تھی اور تین صدی سے زیادہ عرصے تک اسی میں اپنے دین وایمان کی سوغات کو بچائے رکھا، ٹھیک اسی طرح نامساعد حالات اور معاشرہ کے اخلاق سوز ماحول سے بچانے کے لئے بزرگان دین اور علمائے اسلام نے مسلم معاشرہ کی ایک معتد بہ تعداد کو مدارس اسلامیہ کے اندر داخل کر دیا جس سے انکا دین وایمان، اسلامی اخلاق اور صحیح افکار ونظریات زمانے کی خرد وبرد سے محفوظ رہتے ہیں، اصحاب کہف جب غار سے نکلے تو زمانہ بالکل بدل چکا تھا ماحول کا رنگ دوسرا ہو چکا تھا، ٹھیک اسی طرح ہمارے مدارس اسلامیہ میں دینی علوم کی تحصیل میں ایک طویل عرصہ گذارنے کے بعد طلبہ کی جماعت جب باہر آتی ہے تو ماحول اور معاشرہ کو یکسر بدلا ہوا دیکھتی ہے، اجنبیت محسوس کرتی ہے، زمانے کی نیرنگی اور بوقلمونی کے آگے احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس اسلامیہ سے نکلنے والی جماعت کے اندر احساس پیدا کیا جائے کہ وہ ماحول ومعاشرہ میں آ کر خود کو تنہا نہ محسوس کرے، احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو۔

جب 1857 کے بعد انگریز حکمرانوں نے ہمارا پورا نظام تعلیم الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا، دینی مدارس ختم کر دیئے تھے، نظام تعلیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا، تب دو طبقے سامنے آئے اور انہوں نے ملت کو سہارا دینے کی بات کی تھی، علمائے کرام نے قرآن وسنت کی تعلیم باقی رکھنے کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی اور اسلامی تہذیب وثقافت کے تحفظ کا وعدہ کیا تھا، انہوں نے اس مقصد کے لئے عوام سے تعاون مانگا، چندے کئے، گھر گھر دستک دے کر روٹیاں مانگیں، زکوۃ وصدقہ کی رقم وصول کرنے کے لئے دست سوال دراز کیا اور سرکاری تعاون سے بے نیاز ہو کر صرف عوامی تعاون سے قرآن وسنت کی تعلیم باقی رکھنے کے لئے اہم کردار ادا کیا، اپنی عزت نفس کی پرواہ نہیں کی، طعنے سنے، بے عزتی برداشت کی، لیکن بہر حال اسلامی آثار وثقافت کو زندہ رکھا اور اس کی گواہی آج دشمن بھی دے رہے ہیں۔

اگر آج مساجد میں نماز پڑھانے کے لئے امام میسر ہیں، قرآن کی تعلیم کے لئے قاری مل رہے ہیں، رمضان میں قرآن سنانے کے لئے حافظ مل رہے ہیں، جمعہ پڑھانے کے لئے خطیب موجود ہیں، مسئلہ بتانے کے لئے علمائے کرام کی جماعت موجود ہے تو الحمد للہ مدارس دینیہ اپنے نیک اور جائز مقاصد میں کامیاب ہیں اور یہی ان دینی مدارس کی غرض اور مقصود ہے۔ حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، زمانے کے اعتبار سے ترجیحات بدلتی رہتی ہیں، آج ہندوستان کے موجودہ ماحول میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ارباب مدارس اس بات پر توجہ دیں کہ دینی ضرورتیں بھی مدارس سے پوری ہوتی رہیں اور ان مدارس کا وجود اور ان کی بقا بھی رہے، موجودہ حالات میں یہ بھی ضروری ہے کہ علماء انگریزی زبان سیکھیں، علماء کے انگریزی زبان وعصری علوم حاصل کرنے سے مختلف دینی فائدے متعلق ہیں، اول یہ کہ اس طرح وہ برادران وطن تک بہتر طریقہ پر اسلام کی دعوت پہنچا سکتے ہیں، کیونکہ انگریزی ایسی زبان ہے جو ملک کے تمام علاقوں میں پڑھے لکھے لوگوں کے درمیان بولی اور سمجھی بھی جاتی ہے اور دعوت دین کے کام میں عصری معلومات موثر رول ادا کرسکتی ہیں، دوسرا اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ اس وقت اسلام کے خلاف ایک زبردست فکری یلغار جاری ہے، قرآن مجید، حدیث نبوی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اسلامی شریعت غرض کہ دین کے ہر شعبہ پر حملے کئے جا رہے ہیں اور خود مسلمانوں کی نئی نسل میں تشکیکی ذہن پیدا ہو رہا ہے، ہندوستان میں سنگھ پریوار کے لوگ بھی اسلام کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کرنے کا کام بڑے پیمانے پر کر رہے ہیں، لیکن ان سب کا سرچشمہ یہودی اور عیسائی مستشرقین ہی کا مواد ہے، جو انگریزی زبان میں ہے، اس لئے اگر آج علما دفاع اسلام کا کام کرنا چاہیں تو ان کے لئے انگریزی زبان سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے، کیوں کہ دعوت دین کا کام تو عوام بھی کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں، اسی لئے قرآن مجید میں فریضہ دعوت کا مخاطب پوری امت کو بنایا گیا ہے، ''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ'' '(آل عمران) لیکن دفاع اسلام کا کام علماء ہی کر سکتے ہیں اور علماء نے ہمیشہ اس کا کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ عباسی دور میں جب یونانی فلسفہ عالم اسلام داخل ہوا اور یہ علوم تشکیکی ذہن پیدا کرنے کا سبب بننے لگے تو امام غزالی اٹھے اور انہوں نے فلسفہ ومنطق کے اصولوں پر ان سوالات کے جوابات دیے، پھر آگے علامہ ابن تیمیہ علم کے افق پر نمودار ہوئے تو انہوں نے اقدامی طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے خود فلاسفہ یونان کے افکار کو غلط ثابت کیا، اور اس طرح دفاع اسلام کا بہت بڑا کام انجام پایا، افسوس کہ موجودہ دور میں ہم اس سے غافل ہو گئے ہیں، اور ہماری زیادہ تر توجہ یا باہر سے ہونے والی فکری یلغار کے مقابلہ باہمی مسلکی اختلاف کی طرف ہو گئی ہے، ہندوستان میں تعلیمی اعتبار سے دو اہم دبستان ہیں، دار العلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء، دار العلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے پوری زندگی آریہ سماج اور ہندو احیا پرستی کے مقابلہ میں لگائی اور تحریک ندوۃ العلماء کے مؤسس حضرت مولانا محمد علی مونگیری نے عیسائیت اور قادیانیت کے رد کو اپنی زندگی کا مشن بنایا۔ (بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

Scanned with CamScanner

عدلیہ کے کردار کا دوسرا پہلو

سہیل انجم

یہ بات بہت سے ماہرین کہتے ہیں کہ ایسے وقت میں جبکہ ہندوستان کو جمہوریت کی شاہراہ سے ہٹا کر فسطائیت کی پگڈنڈی پر ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور جس میں حکمراں طبقہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہو گیا ہے، عدالتوں کا دم غنیمت ہے۔ اگر ہمارے ملک کی عدالتیں بھی سو جائیں تو پھر سونے والوں کو کون جگائے گا اور مظلوموں کی دادرسی کون کرے گا۔ حالانکہ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی کہی جاتی رہی ہے کہ ہندوستان کا قانون امیروں کے حق میں ہے غریبوں کے نہیں۔ سپریم کورٹ کے سابق جج جسٹس دیپک گپتا بھی یہ حقیقت بیان کر چکے ہیں۔ ادھر ابھی چند روز قبل اڑیسہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ایس مرلی دھر نے بھی اس تلخ حقیقت کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کرائی ہے اور کہا ہے کہ ہندوستان کے قوانین اس انداز میں بنائے گئے ہیں کہ وہ غریبوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے ہیں اور امیروں اور غریبوں کے ساتھ ان کا رویہ مساوی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ صرف امیر غریب تک محدود نہیں ہے بلکہ بعض اوقات مذہب کی بنیاد پر بھی اس قسم کے فیصلے آجاتے ہیں۔ اس کو جاننے کے لیے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایودھیا کی بابری مسجد کا کیس سب کے سامنے ہے۔ جب اس معاملے میں فیصلہ سنایا جانا تھا تو عدالت نے بابری مسجد کے حق میں دیئے جانے والے تمام دلائل تسلیم کر لیے اور مندر فریق کے دلائل مسترد کر دیئے۔ یہاں تک کہ عدالت نے کہا کہ جہاں بابری مسجد کی تعمیر ہوئی تھی وہاں پہلے کوئی مندر نہیں تھا۔ بلکہ وہاں کوئی عمارت ہی نہیں تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ کسی مندر کو توڑ کر مسجد نہیں بنائی گئی۔ اس نے یہ بھی مانا کہ بابری مسجد کے اندر رام جی پرکٹ نہیں ہوئے تھے بلکہ وہاں مورتیاں رکھ دی گئی تھیں۔ اس کے باوجود اس نے ہندوؤں کے حق میں فیصلہ سنایا اور بابری مسجد کی زمین رام مندر کی تعمیر کے لیے دے دی۔ اس نے کہا کہ یہ فیصلہ ہندوؤں کی آستھا کی بنیاد پر سنایا جا رہا ہے۔ جبکہ اسے آستھا کی بنیاد پر نہیں بلکہ شواہد اور حقائق اور مالکانہ حقوق کی بنیاد پر فیصلہ سنانا تھا اور اگر آستھا کی بات تھی تو پھر مسلمانوں کی آستھا کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان کو آستھا کی بنیاد پر انصاف نہیں ملنا چاہیے۔ اس کے فوراً بعد لکھنؤ کی ایک خصوصی سی بی آئی عدالت نے ان تمام لوگوں کو بری کر دیا جنھوں نے بابری مسجد کو منہدم کیا تھا اور کہہ دیا کہ کسی نے بھی اس کا انہدام نہیں کیا بلکہ وہ از خود گر گئی تھی۔ حالانکہ یہ دنیا نے دیکھا تھا کہ کس طرح مذہبی جنون میں مبتلا لاکھوں کے ہجوم نے بزور طاقت بابری مسجد کو شہید کر دیا تھا وہ بھی دن کے اجالے میں۔ یہاں تک کہ سپریم کورٹ نے بابری مسجد کے معاملے میں فیصلہ سناتے ہوئے کہا تھا کہ اسے زبردستی اور غیر قانونی طریقے سے ڈھایا گیا۔ لیکن سی بی آئی عدالت نے ان مجرموں کو جنھوں نے بھری دوپہر میں آئین و قانون کی دھجیاں اڑائی تھیں بے قصور قرار دے کر انھیں ان کے جرم سے بری کر دیا۔ مذکورہ دونوں فیصلے ہندوستانی عدلیہ کی تاریخ میں ناانصافی پر مبنی فیصلے کہے جائیں گے۔ دہلی میں 2020 میں جو فسادات ہوئے تھے ان میں پولیس کا کردار بہت ہی واضح انداز میں مسلم مخالف رہا ہے۔ اس نے خود ان دنگوں میں شرکت کی اور مسلمانوں کو بھارت ماتا کے نعرے لگانے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ اس نے شرپسندوں کے ساتھ مل کر مسلم علاقوں میں لوٹ پاٹ کی اور ان کے مکانوں و دکانوں کو تہس نہس کرنے میں ہاتھ بٹایا۔ اس نے اس کے بعد جو کارروائی کی وہ بھی کھلم کھلا مسلمانوں کے خلاف تھی۔ اس نے فساد کے ذمہ دار بی جے پی لیڈر کپل مشرا کو بے قصور قرار دے دیا اور کہا کہ وہ تو فساد روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جبکہ دنیا نے دیکھا تھا کہ کس طرح انھوں نے دھمکی دی تھی۔ جب دہلی پولیس فساد سے متعلق مقدمات لے کر عدالتوں میں پہنچی تو عدالتوں نے اس ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا جس کا انھیں دینا چاہیے۔ اس نے پولیس کے بہت سے الزامات کو تسلیم کر لیا۔ ہاں کچھ معاملات میں اس نے مسلمانوں کو راحت دی۔ لیکن مجموعی طور پر اس کا رویہ پولیس کے ساتھ ہمدردانہ رہا مظلوموں کے ساتھ نہیں۔

سال 2014 کے بعد سے ان صحافیوں کے خلاف کارروائی ہو رہی ہے جو حکومت کی غلط پالیسیوں کے حامی نہیں ہیں اور جو اس کی ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ پولیس ایسے لوگوں کو گرفتار کر لیتی ہے اور ان پر یو اے پی اے اور قومی سلامتی ایکٹ جیسے خطرناک قوانین لگا دیتی ہے۔ لیکن جب ان کے معاملے عدالتوں میں جاتے ہیں تو عدالتیں ان صحافیوں کو ضمانت دینے سے انکار کر دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں صدیق کپن کی مثال دی جا سکتی ہے کہ کس طرح ان کو ہاتھرس جاتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا اور ان پر یو اے پی اے لگا دیا گیا۔ لیکن عدالت نے آج تک پولیس سے یہ نہیں پوچھا کہ صدیق کپن کا وہ کون سا جرم ہے جس کی بنیاد پر ان کے خلاف یو اے پی اے لگایا گیا۔ اس نے تادم تحریر ان کو ضمانت نہیں دی ہے۔ اسی طرح معروف صحافی رعنا ایوب کو بھی ہراساں کیا جا رہا ہے۔ جبکہ ہندوؤں سے ہتھیار اٹھانے اور مسلمانوں کی نسل کشی کرنے والے یتی نرسنگھانند اور ان جیسے دیگر غنڈوں کو ضمانت دے دی جاتی ہے۔ سیتاپور کے اس نام نہاد بھگوا دھاری سادھو کو بھی بہت جلد ضمانت مل جاتی ہے جس نے مسلم خواتین کے اغوا اور ان کے ریپ کی دھمکیاں دی تھیں۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جہاں عدالتوں نے سنگین جرائم کے مرتکبین کو ضمانتیں دی ہیں۔ لیکن دوسروں کو نہیں دیں۔ مدھیہ پردیش کی پولیس نے ایک صحافی اور کئی فنکاروں کو محض اس لیے گرفتار کیا کہ وہ ایک بی جے پی ایم ایل اے کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے اور ان کو نیم عریاں کر کے ان کی تصاویر لیں اور سوشل میڈیا پر پوسٹ کر دیں۔ لیکن عدالت نے اس بارے میں پولیس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ کرناٹک کے بعض کالجوں میں جب حجاب کا تنازع اٹھا اور بعض مسلم طالبات نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا تو عدالت نے ایک طویل سماعت کے بعد کہہ دیا کہ حجاب اسلام کا لازمی جز نہیں ہے۔ اسی طرح اس سے قبل سپریم کورٹ یہ کہہ چکا ہے کہ مسجد اسلام کا لازمی جز نہیں ہے یعنی نماز کے لیے مسجد ضروری نہیں ہے۔ کرناٹک ہائی کورٹ نے بھی مسلمانوں کے مذہبی معاملے میں مداخلت کی اور حجاب پر پابندی لگا دی۔ جبکہ عدالت کا کام مذہبی امور کی تشریح کرنا نہیں نہیں بلکہ کسی بھی معاملے کے قانونی پہلوؤں کو دیکھنا ہے۔ مذہبی امور کی تشریح مذہبی شخصیات کرتی ہیں۔ اب اگر کسی قانونی مسئلے کی تشریح کوئی دیہاتی کسان کرنے لگے تو کیا اسے تسلیم کیا جائے گا۔ نہیں، کیونکہ وہ اس کا مجاز نہیں ہے۔ اسی طرح عدالتیں مذہبی امور کی تشریح کی مجاز نہیں ہیں۔ لیکن کرناٹک ہائی کورٹ نے حجاب معاملے کو قانونی نقطہ نظر سے دیکھنے کے بجائے مذہبی نقطہ نظر سے دیکھا اور حجاب کے خلاف فیصلہ سنا دیا۔ کیا یہ فیصلہ ایک خاص طبقے کو خوش کرنے کے لیے نہیں ہے۔

مدھیہ پردیش کی پولیس نے کھرگون میں ایک تشدد کے بعد مسلمانوں کے گھروں اور دکانوں کو منہدم کر دیا۔ جبکہ اس کے پاس نہ تو عدالتی اجازت تھی اور نہ ہی اس نے اس معاملے میں لوگوں کو کوئی نوٹس دیا تھا۔ اسی طرح یوپی میں متعدد مقامات پر بلڈوزر چلائے جا رہے ہیں۔ جیسے دہلی کی جہانگیر پوری میں بلڈوزر کی کارروائی کے خلاف سپریم کورٹ نے ایکشن لیا لیکن دوسرے مقامات پر بھی وہی سب کچھ ہو رہا ہے لیکن عدالتیں خاموش ہیں۔

ایسی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں جہاں عدالتوں نے اس طرح سے کام نہیں کیا جیسا کہ انھیں کرنا چاہیے۔ یہ عدالت کے کردار کا دوسرا پہلو ہے جو تشویش ناک بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ عدالتوں کو تو سب کے ساتھ یکساں اور قانون کے مطابق کارروائی کرنی چاہیے لیکن وہ بہت سے معاملات میں ایسا نہیں کرتی۔ جب معاملہ حکومت کا ہو تو وہ اور بھی خاموش ہو جاتی ہے۔ ہندوستانی عدلیہ اگر بعض معاملات میں قابل تعریف قدم اٹھاتی ہے تو بہت سے معاملات میں اس کے فیصلوں پر سوالیہ نشان بھی لگائے جاتے ہیں۔ عدالت کے کردار کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

کیا انڈیا روس کے ساتھ دفاعی تعلقات ختم کر سکتا ہے؟

شرتی مینن (بی بی سی ریلیٹی چیک)

یوکرین پر حملے کے بعد سے انڈیا کے روس کے ساتھ دیرینہ تعلقات دنیا بھر کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ خاص کر دفاعی تعلقات۔ انڈیا کی وزیرِ خزانہ نرملا سیتارمن نے اپریل میں امریکہ کے دورے کے دوران کہا تھا کہ انڈیا مغربی ممالک کا اچھا دوست بننا چاہے گا۔ لیکن انھوں نے مزید کہا کہ انڈیا ان تعلقات کے نتیجے میں کمزور نہیں ہونا چاہتا اور اسے اپنی سلامتی کو یقینی بنانے کی ضرورت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انڈیا کا روسی فوجی ساز و سامان پر انحصار جاری رہے گا۔

انڈیا روسی دفاعی سامان پر کتنا انحصار کرتا ہے ؟ انڈیا دنیا میں سب سے زیادہ ہتھیار خریدنے والے ممالک میں سے ایک ہے اور سابقہ سوویت یونین کے ساتھ اس کے کئی سالوں سے قریبی دفاعی تعلقات قائم ہیں۔ انڈیا کی پاکستان اور چین کے ساتھ خراب تعلقات کا مطلب ہے کہ 1990 کی دہائی میں سوویت یونین کے خاتمے کے بعد بھی روس اور دہلی ایک دوسرے کے اہم ساتھی رہے ہیں۔ آئی این ایس ترشول، روس میں بنایا گیا ایک جنگی جہاز ہے جسے انڈین بحریہ نے 2003 میں خریدا تھا، عالمی سطح پر اسلحے کی خریداری اور فوجی اخراجات پر نظر رکھنے والے ادارے سپری (سٹاک ہوم انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ) کے مطابق 1992 سے انڈیا میں تقریباً دو تہائی فوجی ساز و سامان روس سے آیا ہے۔ سٹیمسن سینٹر (امریکہ میں قائم ایک تحقیقی گروپ) کا اندازہ ہے کہ انڈیا نے 85 فیصد ہتھیار روس سے خریدے ہیں۔ ان ہتھیاروں میں لڑاکا طیارے، نیوکلیئر پاور سے چلنے والی آبدوزیں، طیارہ بردار بحری جہاز، ٹینک اور میزائل شامل ہیں۔

کیا انڈیا مختلف ممالک سے ہتھیار خریدنے کی کوشش کر رہا ہے ؟ پچھلی دہائی میں انڈیا کا روسی ہتھیاروں پر انحصار کم ہوا ہے اور اس نے دوسرے ممالک (فرانس، اسرائیل اور امریکہ اور برطانیہ) سے زیادہ ساز و سامان خریدا ہے۔ سپری کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ 2017 کے مقابلے میں 2021 میں فرانس، امریکہ اور اسرائیل کی طرف سے انڈیا کو ہتھیاروں کی فروخت دوگنی ہو گئی تھی، تاہم روس پھر بھی ایک بڑا سپلائر رہا۔ انڈیا نے فرانس سے رافیل جیٹ، میراج لڑاکا طیارے اور اسکارپین آبدوزیں خریدی ہیں۔ وزیر اعظم نریندر مودی کے ایک حالیہ دورے کے دوران دونوں ممالک نے جدید دفاعی ٹیکنالوجی میں اپنے تعاون کو مزید بڑھانے پر اتفاق کیا ہے۔ اسی طرح اپریل میں برطانیہ کے وزیر اعظم بورس جانسن کے دہلی کے دورے کے دوران برطانیہ اور انڈیا نے جیٹ فائٹرز کی جدید ٹیکنالوجی میں مشترکہ تعاون کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے دفاعی اور سیکورٹی تعلقات کو مزید بڑھانے کا عہد کیا۔ انڈیا نے اپنی کچھ ہائی ٹیک دفاعی اور سیکورٹی ضروریات کے لیے اسرائیل کا رخ بھی کیا ہے، جن میں ڈرون، ائیر بورن وارننگ سسٹم، میزائل شکن نظام، ٹھیک جگہ پر نشانہ لگانے والا گولہ بارود وغیرہ شامل ہیں، دوسری جانب امریکہ کے ساتھ بھی انڈیا کے فوجی تعلقات بڑھ رہے ہیں، 2018 سے 2019 تک دونوں ممالک کے درمیان دفاعی تجارت میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ انڈیا نے امریکہ سے جو اہم جنگی سامان خریدا ہے اس میں ایک طویل رینج والا سمندری نگرانی کا طیارہ اور سی 130 ٹرانسپورٹ طیارہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انڈیا نے مختلف میزائل اور ڈرون بھی خریدے ہیں اور امریکی وزارتِ دفاع پینٹاگون نے خلا میں دفاعی نظام اور سائبر سکیورٹی کے حوالے سے تعلقات بڑھانے کی بات بھی کی ہے۔

کیا انڈیا روسی ہتھیاروں پر اپنے انحصار پر نظرِثانی کر رہا ہے ؟ گزشتہ چند سالوں میں بین الاقوامی تعلقات کی بدلتی صورتحال میں انڈیا کے فرانس، امریکہ اور اسرائیل جیسے ممالک کے ساتھ تعلقات بہتر ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود انڈیا ان ممالک میں شامل نہیں تھا جنھوں نے روس کے یوکرین کے حملے کی مذمت کی جس سے واضح ہوتا ہے کہ انڈیا کسی ایک فریق کا ساتھ نہیں دینا چاہتا۔ کچھ دفاعی تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ روس پر پابندیوں کے اثرات کی وجہ سے انڈیا کے پاس ماسکو پر اپنا انحصار کم کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ انڈیا نے 2018 میں روس سے زمین سے فضا میں مار کرنے والا میزائل نظام ایس 400 خریدا تھا اس کے اہم پرزوں کے حوالے سے بھی مشکلات ہو سکتی ہیں، اب تک یہ نظام صرف جزوی طور پر انڈیا پہنچایا گیا ہے۔ اندیشہ ہے کہ روس ایس 400 پہنچانے کے حوالے سے انڈیا سے کیے گئے وعدے پورے نہیں کر پائے گا۔ یوکرین کے ساتھ جنگ میں روس کو جو نقصانات ہوئے ہیں ان کے باعث وہ انڈیا کی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہیں ہو گا کیونکہ اسے اضافی پرزے اپنا ساز و سامان ٹھیک کرنے میں لگانا پڑیں گے۔ ان کے پالیسی ساز یوکرین میں جنگ کے دوران روس کے جنگی سامان کو پیش آنے والے مسائل پر بھی نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔

کیا انڈیا روسی دفاعی سامان کے بغیر گزارہ کر سکتا ہے ؟ فی الحال ایسا ممکن نظر نہیں آ رہا۔ گزشتہ سال اکتوبر میں امریکی کانگریس کی ایک رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ 'انڈین فوج روس کی جانب سے فراہم کیے گئے آلات کے بغیر مؤثر طریقے سے کام نہیں کر سکتی اور اس کا روسی ہتھیاروں کے نظام پر انحصار جاری رہے گا۔

Scanned with CamScanner

اخبار جہاں

محمد عادل فریدی

تعلیم و روزگار

متحدہ عرب امارات کے صدر شیخ خلیفہ بن زاید النہیان کا انتقال

متحدہ عرب امارات کے صدر اور ابوظہبی کے حکمراں شیخ خلیفہ بن زاید النہیان کا جمعہ کو انتقال ہوگیا۔ خلیج ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق صدارتی امور کی وزارت نے شیخ خلیفہ بن زاید النہیان کے انتقال کی تصدیق کی اور متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، اسلامی ممالک اور دنیا کے لوگوں سے تعزیت کا اظہار کیا۔ شیخ خلیفہ بن زاید النہیان 3 نومبر 2004 سے متحدہ عرب امارات کے صدر اور ابوظہبی کے حکمراں کے طور پر فرائض انجام دے رہے تھے۔ وہ اپنے والد مرحوم شیخ زاید بن سلطان النہیان کے جانشین منتخب ہوئے تھے، جنہوں نے 1971 میں یونین کے بعد متحدہ عرب امارات کے پہلے صدر کے طور پر خدمات انجام دیں، ان کا انتقال 2 نومبر 2004 میں ہوا۔ 1948 میں پیدا ہونے والے شیخ خلیفہ بن زاید متحدہ عرب امارات کے دوسرے صدر اور امارات ابوظہبی کے 16ویں حکمران تھے، وہ شیخ زاید کے بڑے بیٹے تھے۔ متحدہ عرب امارات کا صدر بننے کے بعد شیخ خلیفہ نے وفاقی حکومت اور ابوظہبی دونوں کی تنظیم نو کی۔ ان کے دور حکومت میں متحدہ عرب امارات نے تیزی سے ترقی کی۔ صدر منتخب ہونے کے بعد شیخ خلیفہ نے متوازن اور پائیدار ترقی کے حصول کے لیے اپنا پہلا اسٹریٹجک منصوبہ شروع کیا، جس میں متحدہ عرب امارات میں رہنے والے لوگوں کی خوشحالی کو مقدم رکھا گیا۔ انہوں نے امارات کی فلاح و بہبود کے لیے پورے متحدہ عرب امارات میں طویل دورے کیے، اس دوران انہوں نے ہاؤسنگ، تعلیم اور سماجی خدمات سے متعلق متعدد منصوبوں کی شروعات کی۔ شیخ خلیفہ بن زاید النہیان عوامی معاملات میں اپنی گہری دلچسپی رکھنے کے لیے جانے جاتے تھے۔ (یو این آئی)

وکرم سنگھے نے سری لنکا کے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا

سری لنکا کے نئے مقررہ کردہ وزیر اعظم اور یونائیٹڈ نیشنل پارٹی (یو این پی) کے لیڈر رانل وکرم سنگھ نے جمعہ کو وزیر اعظم کے دفتر میں چارج سنبھال لیا، پہلے بھی پانچ بار ملک کے وزیر اعظم رہ چکے مسٹر وکرم سنگھے نے سری لنکا کی قیادت کرنے کے لئے جمعرات کو چھٹی بار عہدہ کا حلف لیا۔ اس وقت سری لنکا ایک بے مثال اقتصادی اور سیاسی بحران کا سامنا کر رہا ہے، اخبار ڈیلی مرر نے اطلاع دی کہ مسٹر وکرم سنگھے نے جمعہ کی صبح وزیر اعظم کے دفتر میں چارج سنبھال لیا۔ صدر گوتابایا راج پکشے کے بھائی مہندر راج پکشے کے 09 مئی کو عہدہ سے ہٹنے کے بعد وزیر اعظم کی کرسی خالی ہوگئی تھی۔ اس سے قبل مسٹر وکرم سنگھے نے 1993 سے 1994، 2001 سے 2004، 2015 (سودن) 2015، سے 2018 اور 2018 سے 2019 تک سری لنکا کے وزیر اعظم کے طور پر خدمات انجام دیں۔ وہ 1994 سے یو این پی کے لیڈر رہیں اور 1994 سے 2001 اور 2004 سے 2015 تک اپوزیشن کے لیڈر رہے۔ (یو این آئی)

یوکرین کو پوتن پر دباؤ ڈالنے کے لیے مزید ہتھیاروں کی ضرورت: برطانیہ

برطانیہ کی وزیر خارجہ لز ٹروس نے کہا ہے کہ یوکرین کو روسی صدر ولادیمیر پوتن پر دباؤ برقرار رکھنے کے لیے مزید ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔ محترمہ ٹروس نے جرمنی کے شہر ویزن ہاس میں G7 وزرائے خارجہ کے اجلاس سے قبل کہا کہ اس وقت یہ بہت اہم ہے کہ ہم پابندیاں بڑھا کر اور یوکرین کو مزید ہتھیاروں کی فراہمی کے ذریعے ولادیمیر پوتن پر دباؤ برقرار رکھیں۔ سی این این نے وزیر خارجہ کے حوالے سے کہا ہے کہ اس بحران کے دوران جی 7 اتحاد آزادی اور جمہوریت کے دفاع کے لیے بہت اہم رہا ہے۔ (یو این آئی)

فلسطین میں خاتون صحافی کے قتل پر مغربی میڈیا ''اسرائیل'' کا نام لینے سے گریزاں

مغربی میڈیا کی جانب سے اسرائیلی فورسز کی فائرنگ میں فلسطین نژاد امریکی صحافی کے قتل پر خاموشی اختیار کرنے پر سوشل میڈیا پر شدید تنقید کی جارہی ہے۔ سوشل میڈیا صارفین اور شعبہ ابلاغ کے ماہرین نے کہا کہ مغربی میڈیا نے واقعہ پر مبہم انداز میں رپورٹنگ کی اور اسرائیلی فورسز کا تذکرہ نہیں کیا۔ خیال رہے کہ اسرائیل کے زیر قبضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی فورسز کی فائرنگ سے الجزیرہ سے وابستہ صحافی شیریں ابو عاقلہ ہلاک ہوگئی تھیں، ان کے سر پر گولی ماری گئی تھی۔ ماہرین کے مطابق خاتون صحافی کے شاندار کیرئیر کے بارے میں بات کرنے کے بجائے مغربی میڈیا نے قتل میں اسرائیلی فورسز کے کردار کو مجرمانہ حد تک نظر انداز کیا، جبکہ عینی شاہدین نے بتایا تھا کہ شیریں ابو عاقلہ کے سر پر گولی ماری گئی تھی۔ لبرل اسرائیلی تنظیم جیوش وائس فار پیس کے پولیٹیکل ڈائریکٹر نے نیویارک ٹائمز پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ شیری ابو عاقلہ کی موت کی ہیڈ لائن لگائی لیکن ان کی موت کی وجہ نہیں بتائی۔ علاوہ ازیں امریکی خبر رساں ادارے ایسوسی ایٹ (اے پی) کی رپورٹنگ پر شدید تنقید کی گئی۔ ایک ٹوئٹر صارف نے کہا کہ امریکی خبر رساں ادارے اے پی نے شیری ابو عاقلہ کے قتل کی ہیڈ لائن ایسے لگائی کہ ''جھڑپ میں صحافی ہلاک'] جبکہ سب جانتے ہیں کہ انہیں اسرائیلی فورسز نے سر پر گولی مار کر قتل کیا۔ (نیوز ایکسپریس پی کے)

اسرائیل نے 4000 سے زائد غیر قانونی آبادکاری کی منظوری دے دی

اسرائیل نے مقبوضہ مغربی کنارے میں 4000 سے زائد بستیوں کی تعمیر کی منظوری دے دی ہے۔ مغربی کنارے میں سینکڑوں فلسطینیوں کو بے دخلی کے خطرے کا سامنا ہے۔ فوج کی جانب سے مکانات مسمار کرنے کے ایک دن بعد غیر قانونی آبادکاری کا مخالف واچ ڈاگ گروپ ''پیس ناؤ'' کی ایک عہدیدار ہاگیت افران نے بتایا کہ حکومت نے ایک اجلاس میں 4,427 غیر قانونی یہودی ہاؤسنگ یونٹس کی منظوری دی ہے۔ دوسری جانب اسرائیلی حکومت کے ترجمان اور مغربی کنارے میں شہری امور کے انچارج فوجی ادارے نے صحافیوں کے مطالبے کے باوجود اس منظوری سے متعلق خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔

واضح رہے کہ بائیڈن انتظامیہ کے اقتدار سنبھالنے کے بعد سے یہ یہودی آبادکاریوں کے منصوبوں میں سب سے بڑی پیش رفت ہے۔ حالانکہ وائٹ ہاؤس ایسی غیر قانونی آبادکاری کی تعمیر کی مخالفت کرتا ہے اور اسے فلسطینیوں کے ساتھ کسی بھی حتمی امن معاہدے کی راہ میں رکاوٹ کے طور پر دیکھتا ہے۔ (نیوز ایکسپریس پی کے)

زرمبادلہ کے ذخائر 1.8 ارب ڈالر گھٹ کر 595.9 ارب ڈالر پر

ملک کے غیر ملکی زرمبادلہ کے ذخائر 6 مئی کو ختم ہونے والے ہفتے میں مسلسل نویں ہفتے میں 1.8 ارب ڈالر کم ہو کر 595.9 ارب ڈالر رہ گئے اس سے قبل زرمبادلہ کے ذخائر 29 اپریل کو ختم ہونے والے ہفتے میں 2.7 ارب ڈالر گھٹ کر 597.7 ارب ڈالر، 22 اپریل کو ختم ہونے والے ہفتے میں 3.3 ارب ڈالر گھٹ کر 600.4 ارب ڈالر، 15 اپریل کو ختم ہونے والے ہفتے میں 311 ارب ڈالر گھٹ کر 603.7 ارب ڈالر، 8 اپریل کو ختم ہونے والے ہفتے میں 2.5 ارب ڈالر گر کر 604 ارب ڈالر اور یکم اپریل کو ختم ہونے والے ہفتے میں 11.2 ارب ڈالر گھٹ کر 606.5 ارب ڈالر رہ گئے۔ جمعہ کو ریزرو بینک کی طرف سے جاری کردہ ہفتہ وار اعداد و شمار کے مطابق غیر ملکی کرنسی کے ذخائر کا سب سے بڑا جزو غیر ملکی کرنسی کے اثاثے 6 مئی کو ختم ہونے والے ہفتے میں 1.9 ارب ڈالر کم ہو کر 530.9 بلین ڈالر رہ گئے۔ تاہم اس مدت کے دوران سونے کے ذخائر میں اضافہ ہوا اور 135 کروڑ ڈالر بڑھ کر 41.7 ارب ڈالر ہوگئے۔ اسپیشل ڈرائنگ رائٹس (ایس ڈی آر) زیر جائزہ ہفتے میں سات کروڑ ڈالر بڑھ کر 18.4 ارب ڈالر ہو گئے۔ وہیں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے پاس ریزرو فنڈ 11 ارب ڈالر کم ہو کر 4.9 ارب ڈالر رہ گیا۔ (یو این آئی)

انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن نے نیٹ پی جی 2022 کا نیا شیڈول جاری کرنے کی اپیل کی

انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن نے مرکزی وزیر صحت منسکھ منڈاویہ سے 21 مئی کو ہونے والے نیٹ پی جی امتحان کا نیا شیڈول جاری کرنے کی درخواست کی ہے۔ آئی ایم اے کا کہنا ہے کہ نیٹ پی جی امتحان 2022 کی تاریخ اور 2021 کی کونسلنگ کی تکمیل ہر ایک کے لیے اہم ہے۔ اس طرح کے انتہائی مشکل امتحان کی تیاری اور اس میں شرکت کے لیے بہت کم وقت دیا گیا ہے۔ اس لیے اس پر نظر ثانی کی جائے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ پچھلا امتحان عالمی وبا کورونا وائرس (Covid-19) کی وجہ سے مقررہ تاریخ کے پانچ ماہ بعد منعقد ہوا اور کونسلنگ 25 اکتوبر 2021 کو شروع ہونے والی تھی، جو کہ سیٹ ریزرویشن پر زیر التواء فیصلے کی وجہ سے جنوری 2022 میں شروع ہوئی۔ 31 مارچ 2022 کو سپریم کورٹ کے فیصلے کی وجہ سے اس میں مزید تاخیر ہوئی، جس نے موپ اپ راؤنڈ کے لیے مشاورت کے خصوصی راؤنڈ کو منسوخ کرنے اور منعقد کرنے کا حکم دیا تھا۔ آئی ایم اے نے لکھا کہ پانچ سے دس ہزار انٹرنز نے عالمی وبا کورونا وائرس کے دوران فرنٹ لائن ورکرس کے طور پر خدمات انجام دیں ہیں۔ اپنے آخری امتحان کی تکمیل میں تاخیر اور اس کے نتیجے میں ان کی انٹرن شپ امتحان کے لیے مقرر کردہ اہلیت کے معیار سے باہر ہونے کی وجہ سے PG-NEET میں شرکت کے لیے نااہل ہیں، اس لیے اس پر نظر ثانی کی جائے۔ پوسٹ گریجویٹ کورسز کے ٹائم ٹیبل پر سپریم کورٹ کے فیصلوں کا حوالہ دیتے ہوئے آئی ایم اے نے NEET2022 کے امتحانات کو موخر کرنے کی ضرورت پر زور دیا کیونکہ یہ لاکھوں میڈیکل گریجویٹس کے کیریئر سے متعلق ہے۔ آئی ایم اے نے کہا کہ نیٹ کے امتحان کی تاریخ 21 مئی 2022 ہے، ہم آپ کی بروقت مداخلت اور نیٹ پی جی 2022 کو مناسب وقت کے لیے ملتوی کرنے پر فوری غور کرنے کی درخواست کرتے ہیں، تاکہ موجودہ نیٹ پی جی 2021 کے امیدواروں کے پاس تیاری کے لیے مناسب وقت ہو اور آئندہ PG-NEET 2022 کے امتحان میں شرکت کریں اور تمام انٹرنز کی اہلیت کو بھی یقینی بنایا جائے۔ (نیوز۔۱۸)

جامعہ ملیہ میں یو جی، پی جی میں داخلے کے لیے درخواست کی تاریخ میں توسیع

جامعہ ملیہ اسلامیہ نے تمام انڈر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کورسز کے لیے آن لائن درخواستیں جمع کرنے کی آخری تاریخ 25 مئی تک بڑھا دی ہے۔ اس سے قبل داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ 13 مئی 2022 تھی۔ پی ایچ ڈی پروگرام کو چھوڑ کر جامعہ کے تمام کورسز جیسے پوسٹ گریجویٹ، انڈر گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ، ایڈوانسڈ ڈپلومہ اور ڈپلومہ پروگراموں کے لیے رجسٹریشن کی آخری تاریخ بڑھائی گئی ہے۔ یونیورسٹی نے کہا کہ ایسا اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ کامن یونیورسٹی انٹری ٹیسٹ (CUET) کے لیے رجسٹریشن کی آخری تاریخ 22 مئی تک بڑھا دی گئی ہے۔ (این ڈی ٹی وی)

جھارکھنڈ اسٹاف سلیکشن کمیشن نے 921 آسامیوں کے لیے درخواستیں طلب کیں

جھارکھنڈ اسٹاف سلیکشن کمیشن نے مختلف اقسام کی کل 921 آسامیوں کے لیے درخواستیں طلب کی ہیں۔ ان آسامیوں کے لیے درخواست کا عمل اس ماہ کے آخر میں شروع ہو جائے گا۔ ان آسامیوں کے لیے امیدواروں کو آن لائن درخواست فارم بھرنا ہوگا۔ درخواست کا عمل 30 مئی 2022 سے شروع ہوگا۔ دلچسپی رکھنے والے امیدوار ان آسامیوں کے لیے 29 جون 2022 تک درخواست دے سکتے ہیں۔ خواہش مند اور اہل امیدوار JSSC کی آفیشل ویب سائٹ www.jssc.nic.in کے ذریعہ درخواستیں دے سکتے ہیں۔ جن عہدوں پر بحالیاں ہونی ہیں ان کی تفصیل اس طرح ہے؛ گارڈن سپرنٹنڈنٹ :12 آسامیاں، ویٹرنری آفیسر :10 آسامیاں، سینیٹری اور فوڈ انسپکٹر : 24 آسامیاں، سینیٹری سپروائزر : 645 آسامیاں، ریونیو انسپکٹر : 184 آسامیاں، قانونی معاون : 46 آسامیاں.

تعلیمی لیاقت : گارڈن سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ کے لیے کسی تسلیم شدہ انسٹی ٹیوٹ یا یونیورسٹی سے ایگریکلچر سائنس یا ہارٹیکلچر میں بیچلر ڈگری۔ ویٹرنری آفیسر کے عہدہ کے لیے، ویٹرنری سائنس اور انیمل ہسبنڈری میں بیچلر ڈگری۔ سینیٹری اور فوڈ انسپکٹر کے عہدہ کے لیے پی جی ڈپلومہ ان واٹر سینیٹیشن اینڈ ہائجین۔ ریونیو انسپکٹر کی پوسٹ کے لیے کامرس یا اکنامکس یا ریاضی میں بیچلر ڈگری۔ لاء اسسٹنٹ کے عہدے کے لیے ایل ایل بی کی ڈگری۔ ان آسامیوں کے لیے درخواست دینے والے امیدوار کی کم از کم عمر 21 سال اور زیادہ سے زیادہ عمر 35 سال ہونی چاہیے۔ کم از کم عمر اور زیادہ سے زیادہ عمر کا حساب 31 مارچ 2021 کو کیا جائے گا۔ (این ڈی ٹی وی)

Scanned with CamScanner

ملی سرگرمیاں

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی

صبر اور شکر کے ساتھ مصیبتوں کا سامنا کریں: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

آشیانہ کالونی، باندھ روڈ ضلع مظفر پور کے آتش زدگان کی امارت شرعیہ کی جانب سے مدد

امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب مدظلہ کی ہدایت پر 27 اپریل 2022 روز بدھ کو نائب ناظم امارت شرعیہ مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی کی قیادت میں امارت شرعیہ کی ایک ریلیف ٹیم ضلع مظفر پور میں واقع آشیانہ کالونی نزد جیل چوک باندھ روڈ میں آتش زدگان کے درمیان پہنچی اور متاثرین کی نقد امداد کی اس کے علاوہ ان کے درمیان کپڑے اور رمضان کی مناسبت سے کھجوروں کے پیکٹس تقسیم کیے۔ اس ریلیف ٹیم میں جناب شعیب صاحب صدر تنظیم امارت شرعیہ مظفر پور، جناب حاجی فرید رحمانی رکن شوریٰ امارت شرعیہ، جناب صبغۃ اللہ رحمانی جوائنٹ سکریٹری تنظیم امارت شرعیہ مظفر پور، مولانا مشیر الحق قاسمی جوائنٹ سکریٹری تنظیم امارت شرعیہ مظفر پور، مولانا نوشاد قاسمی مبلغ امارت شرعیہ اور مولانا سید محمد عادل فریدی کارکن دفتر نظامت شریک تھے۔ ان کے علاوہ مقامی ذمہ داران ومعززین میں مولانا تاج الدین قاسمی امام جامع مسجد فیض کالونی، مولانا بقاء اللہ قاسمی مہتمم ابو ہریرہ اکیڈمی آشیانہ کالونی، مولانا صغیر احمد قاسمی امام مسجد ملت کالونی، جناب محمد شفیع الرحمٰن سکریٹری مسجد بلال ملت کالونی و جناب اعجاز احمد صاحب بھی موقع پر موجود رہے۔ اس ریلیف ٹیم نے متاثرہ خاندانوں کو تسلی کے کلمات کہے اور امارت شرعیہ کی جانب سے صبر و استقامت کی تلقین کی۔ ساتھ ہی نقد رقم، کھجور کے پیکٹس اور کپڑے کے ذریعہ ان سبھی متاثرہ خاندانوں کی مدد کی گئی، امارت شرعیہ کی جانب سے عبوری راحت کے طور پر فی خاندان پانچ ہزار روپئے دیے گئے۔ اس کے علاوہ مقامی تنظیم امارت شرعیہ ضلع مظفر پور کی تحریک پر مقامی طور پر اہل خیر کے ذریعہ ہر خاندان کو گھر بنانے کے لیے ٹین کی چادریں، نقد رقوم، غلہ، برتن اور روزمرہ کے استعمال کی چیزوں سے مدد کی گئی۔ اس موقع پر جناب مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب نے متاثرین اور وہاں موجود دیگر لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ امارت شرعیہ کسی بھی مصیبت کے موقع پر خواہ وہ آسمانی آفت ہو یا زمینی، پریشان حال لوگوں کی مدد کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ آگ لگنے کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، گھر اور تمام ساز وسامان خاکستر ہونے کی وجہ سے انسان ہر چیز کا محتاج ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ امیر شریعت اور قائم مقام ناظم امارت شرعیہ کے حکم سے یہاں آئے ہیں کہ آپ کا ممکنہ تعاون کیا جائے، ظاہر ہے کہ آپ کے نقصان کی مکمل تلافی نہیں ہو سکتی، لیکن ہمارے آنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ یہ محسوس کریں کہ آپ کی پریشانی میں ہم امارت شرعیہ کے خدام آپ کے ساتھ ہیں، آپ کے غم میں شریک ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد سے جلد اس پریشانی سے نکال دے اور پردۂ غیب سے آپ کے نقصان کی تلافی کر دے۔

مفتی صاحب موصوف نے کہا کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کا جائزہ لینا چاہئے کہ اس کا سامنا کرنے کا کیا طریقہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے، اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ صبر وشکر اور اللہ سے لو لگا کر، نماز کو قائم کر کے اس مصیبت کا سامنا کیا جائے، صبر کرنے سے اللہ کی مدد آتی ہے۔ ہم لوگوں کو یہ بھی جائزہ لینا چاہئے کہ نماز کا کتنا اہتمام ہو رہا ہے، اگر نماز میں کمی کوتاہی ہو رہی ہے تو اللہ کی مدد نہیں آئے گی۔ اس لیے نماز کا اہتمام ہونا چاہئے۔ آپ نے کہا کہ مصیبتیں دو وجہوں سے آتی ہیں، کبھی تو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو مصیبت میں ڈال کر آزماتا ہے کہ کون بندہ صبر وشکر کے معیار پر کھرا اترتا ہے، اور کبھی بے عملی اور بدعملی کی وجہ سے انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، ہمیں اس کا بھی جائزہ لینا چاہئے کہ یہ مصیبت آزمائش کے طور پر ہے یا ہماری بدعملیوں کی بنیاد پر، دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا چاہئے، اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی چاہئے، بداعمالیوں سے باز آنا چاہئے، اور اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہئے۔ جب عمل صحیح ہوگا، خیر کے کام کی طرف رغبت ہوگی اور بُرے کاموں سے نفرت ہوگی تو اللہ کی مدد آئے گی۔

خیال رہے کہ چند دنوں پہلے اچانک اس بستی میں آگ لگنے کی وجہ سے کئی مکانات بڑی طرح جل گئے۔ اس واقعہ میں گرچہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا، لیکن گھر کے علاوہ اناج اور گھر کے دیگر ساز وسامان پوری طرح خاکستر ہو گئے۔ یہ پوری آبادی معاشی اعتبار سے بہت کمزور مسلمانوں پر مشتمل ہے، آتش زدگی کے اس واقعہ نے انہیں مزید مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ مقامی لوگوں کی طرف سے جب اس کی اطلاع امارت شرعیہ کو دی گئی تو امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب اور امارت شرعیہ کے قائم مقام ناظم مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب نے فوراً اس اندوہناک حادثہ پر توجہ دی اور نقد رقم و کپڑے لے کر مذکورہ ریلیف ٹیم کو عبوری راحت رسانی کے لیے بھیجا۔ مقامی لوگوں کی جانب سے امارت شرعیہ کے اس اقدام کی پذیرائی کی گئی اور حضرت امیر شریعت اور امارت شرعیہ کا لوگوں نے اس بروقت امداد کے لیے شکریہ ادا کیا۔

امارت شرعیہ پریشان حال اور مصیبت زدہ کی مدد کے لیے ہمیشہ آگے رہتی ہے: قاضی انظار عالم قاسمی

موضع دھپاری، پوسٹ بھگھوا ضلع سہرسہ کے آتش زدگان کی امارت شرعیہ نے کی مدد

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے بندوں کو کبھی نعمتیں دے کر آزماتے ہیں اور کبھی نعمتوں میں کمی کر کے آزماتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں مومنین کی پہچان شکر اور صبر ہے، جن لوگوں کو اللہ نے نعمتیں دی ہیں ان کا کام یہ ہیکہ وہ اللہ کا شکر ادا کریں اور جو نعمتیں اللہ نے انہیں دی ہیں ان میں سے ضرورت مندوں کی مدد کریں۔ اور جن سے اللہ نے نعمتیں چھینی ہیں ان کا کام یہ ہے کہ وہ اس پر صبر کریں اور اللہ کی رضا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیں۔ ان دونوں طرح کے لوگوں کے لیے اللہ نے جنت کی خوشخبری دی ہے۔ یہ باتیں جناب مولانا مفتی محمد انظار عالم قاسمی قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ نے موضع دھپاری، پوسٹ بھگھوا، ضلع سہرسہ میں امارت شرعیہ کی جانب سے آتش زدگان کے درمیان راحت رسانی کے موقع پر مصیبت زدہ افراد کو تسلی دیتے ہوئے کہیں۔ انہوں نے کہا کہ امارت شرعیہ پریشان حال اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لیے ہمیشہ آگے رہتی ہے۔ یہاں کے واقعہ کی خبر بھی جب امارت شرعیہ پہونچی تو فوراً امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب دامت برکاتہم، نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی صاحب زید مجدھم اور قائم مقام ناظم مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب نے اس پر خصوصی توجہ دی اور امارت شرعیہ کے دفتر میں عید الفطر کی تعطیل کے باوجود ان مصیبت زدگان کی اشک شوئی اور انہیں تسلی دینے کے لیے اس وفد کو بھیجا تا کہ ان پریشان حال لوگوں کے آنسو پوچھے جائیں اور ان کی مدد بھی کی جائے۔ اس موقع پر تنظیم امارت شرعیہ سہرسہ کے سرپرست ڈاکٹر ابوالکلام صاحب نے امارت شرعیہ کے کاموں کی تحسین کرتے ہوئے کہا کہ امارت شرعیہ ہمیشہ خیر کے کاموں میں آگے رہتی ہے اور جہاں بھی لوگ مصیبت میں ہوتے ہیں سب سے پہلے امارت شرعیہ وہاں پہونچتی ہے۔ انہوں نے وہاں موجود مقامی اہل خیر کو ترغیب دلاتے ہوئے کہا کہ غم خواری وغم گساری مومنین کی خاص صفات ہیں۔ ایمان والوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ کسی ایک کو بھی تکلیف ہو تو دوسرا اچھل جائے اور اس تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے اور اسکو دور کرنے کے لیے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے خرچ کرے اس لیے مقامی لوگوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ جو لوگ مصیبت سے محفوظ ہیں وہ مصیبت زدوں کی مدد کریں۔ جناب ڈاکٹر محمد طارق صاحب سکریٹری تنظیم امارت شرعیہ ضلع سہرسہ، جناب مکھیا انعام الحق صاحب نائب سکریٹری تنظیم امارت شرعیہ مہیشی بلاک ضلع سہرسہ نے بھی حضرت امیر شریعت اور امارت شرعیہ کا اس ریلیف ورک کے لیے شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ مقامی طور پر بھی تنظیم امارت شرعیہ کی جانب سے ان لوگوں کی مدد کی جائے گی، واضح ہو کہ امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب مدظلہ کی ہدایت پر 04 مئی 2022 روز بدھ کو قاضی شریعت امارت شرعیہ مولانا مفتی محمد انظار عالم قاسمی کی قیادت میں امارت شرعیہ کی ایک ریلیف ٹیم ضلع سہرسہ کے دھپاری گاؤں میں آتش زدگان کے درمیان پہنچی اور متاثرین کی نقد امداد کی۔ اس ٹیم میں مذکورہ بالا حضرات کے ساتھ مولانا محمد طارق انور رحمانی، جناب محمد قاسم صاحب، جناب محمد طٰہٰ صاحب، جناب محمد حسیب اللہ صاحب، جناب محمد توحید صاحب، جناب محمد زبیر صاحب، جناب محمد فضل اللہ صاحب، جناب انوار اللہ عرف جگنو صاحب وغیرہ بھی شریک تھے۔ اس ریلیف ٹیم نے متاثرہ خاندانوں کو تسلی کے کلمات کہے اور امارت شرعیہ کی جانب سے انہیں صبر واستقامت کی تلقین کی۔ ساتھ ہی نقد رقم اور کپڑے کے ذریعہ سبھی متاثرہ خاندانوں کی مدد کی گئی، امارت شرعیہ کی جانب سے عبوری راحت کے طور پر فی خاندان پانچ ہزار روپئے دیے گئے۔

شیخ پورہ میں امارت شرعیہ کی طرف سے ساڑیاں تقسیم کی گئیں

امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ، جھارکھنڈ کی طرف سے مختلف اضلاع میں عید الفطر کے موقعہ پر ضرورت مند خواتین کے درمیان بڑے پیمانے پر ساڑیاں تقسیم کی گئیں۔ امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی دامت برکاتہم کے خصوصی حکم پر امارت شرعیہ نے مختلف اضلاع میں ساڑیاں بھیجوائیں تا کہ غریب خواتین بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں۔ اس ضمن میں ضلع شیخ پورہ کے لیے بھی دو سو پچیس ساڑیاں بھیجی گئیں جو علاقے کے مختلف گاؤں، محلوں اور مضافات میں ضرورت مند خواتین کے درمیان تقسیم کی گئیں۔ ضلع شیخ پورہ میں امارت شرعیہ کی طرف سے یہ ذمے داری جناب حافظ فیاض ہاشمی سکریٹری جامعہ محمود، محلّہ سکونت اور جناب مولانا معظم علی وارث رحمانی، یکی پور نے بحسن وخوبی انجام دی۔ انھوں نے طریقہ کار یہ اختیار کیا کہ مختلف علاقوں اور گاؤں سے چند ذمے دار متعین کیے اور انھیں ساڑیاں حوالے کیں تا کہ وہ اپنے اپنے گاؤں اور محلّہ میں مستحق خواتین تک پہونچادیں۔ چنانچہ بازید پور شیخ پورہ میں جناب محمد اعجاز الدین، پہڑیا اور شیخو پور سرائے میں جناب مولانا عامر ظفر مدنی، اکساری، کنڈا، پتھریٹہ، کٹنی کول، جمواڑہ میں جناب شمس تبریز، شہر شیخ پورہ میں جناب محمد اویس بڑی درگاہ، جناب محمد نواب اختر یکی پور، جناب عبدالرحیم پہڑیا، منیوری میں جناب محمد آفتاب خان، چار یاری میں جناب ڈاکٹر عتیق احمد اور جناب سید فرحان احمد (گڈو)، چرَوانوں میں جناب انعام صاحب اور تابش، ٹکراڑ میں جناب محمد مختار عالم، حسین آباد میں جناب محمد عالمگیر اور جناب محمد علی رضا خان کو ذمہ داری دی گئی اور اِن سرگرم اور متحرک اشخاص نے ملت کے کاز میں پوری دل چسپی دکھائی۔ انھوں نے شیخ پورہ میں ساڑیاں وصول کیں اور اپنے اپنے گاؤں اور علاقے میں تقسیم کیں۔

عورتوں کو بلا کر ساڑیاں دے کر نمائش کی بجائے کوشش اس بات کی گئی کہ ہر گاؤں اور علاقے کی مستحق خواتین تک امانت پہونچادی جائے۔ اس موقعہ پر جناب حافظ فیاض ہاشمی اور جناب مولانا معظم علی وارث نے ان تمام مذکورہ اشخاص کے علاوہ جناب امام غزالی، جناب شہود عالم، جناب فیاض عرف لڈن اور دیگر تمام معاونین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ملت کے کاز سے اسی طرح جڑ کر حصہ لینا چاہیے۔ امارت شرعیہ مسلک ومشرب سے الگ ہو کر سبھوں کا ادارہ ہے، ہم اپنے ادارے سے جس قدر جڑیں گے، اتنے ہی مضبوط ہوں گے۔ ملی اداروں کی حیثیت جڑ کی ہے، شاخیں اسی وقت تروتازہ رہیں گی جب وہ اپنے جڑ سے جڑی رہیں گی، ہمیں امیر شریعت اور امارت شرعیہ کو مضبوط کرنا ہے تا کہ وہ ہماری آواز بن کر ملت کی رہنمائی کریں۔ امیر شریعت کی کوشش ہے کہ خاص خاص موقعہ پر تینوں ریاستوں کے ہر ضلع، ہر قصبہ، ہر گاؤں تک امارت شرعیہ پہونچے اور ضرورت مندوں کی ہر ممکن مدد کرے۔ انھوں نے مختلف اضلاع میں نئے دار القضاء کے قیام کی کوشش تیز کر دی ہے۔ چنانچہ شیخ پورہ میں جامعہ محمود محلّہ سکونت میں دار القضاء کے قیام کی منظوری بھی دے دی ہے، جناب مولانا معظم علی وارث نے اس کے لیے جناب مولانا قاضی انظار عالم قاسمی صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔ واضح رہے کہ جامعہ محمود کی زمین امارت شرعیہ کے نام سے ہی وقف ہے جہاں دار القضاء کا جلد قیام ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ امیر شریعت چاہتے ہیں کہ دار القضاء کا مقصد صرف نکاح وطلاق پر فیصلہ نہ ہو، بلکہ یہ کونسلنگ سنٹر ہو، امارت کی طرف سے رفاہی، دینی، ملی خدمت کا مرکز بھی ہو۔ اس کے علاوہ امیر شریعت نے مختلف اضلاع میں سی بی ایس ای کے طرز پر امارت پبلک اسکول کے قیام کے لیے اپنا مشن شروع کر دیا ہے۔

Scanned with CamScanner

فارسی زبان وادب-ایک مطالعہ

مولانا رضوان احمد ندوی

فارسی، ایران کے ایک متمدن صوبہ فارس کی زبان ہے اس صوبہ میں دو ایسے زبردست خاندان شاہی پیدا ہوئے جنہوں نے تمام ایران پر حکومت کی؛ اس لئے اس صوبہ کی زبان بھی تمام ملک پر غالب رہی، جب دو قوموں کا ایک دوسرے کے ساتھ میل جول ہوتا ہے تو ایک کے رسم ورواج اور عادات واطوار کے ساتھ ہر ایک کی زبان بھی دوسرے کی زبان سے متاثر ہوتی ہے اور ترقی یافتہ قوم کی زبان کا اثر ضعیف اور پسماندہ قوم کی زبان پر زیادہ اثر ہوتا ہے، ان دونوں خاندان شاہی کا گہرا اثر پوری ایرانی تہذیب وکلچر پر پڑا۔

فارسی زبان کے تاریخی ادوار

زبان فارسی کی تاریخ تین دور میں منقسم ہوتی ہے۔

(۱) پہلا دور (۵۵۰ق م-۳۳۰ق م تک) اس دور کی فارسی کو فارسی قدیم کہتے ہیں یہ وہ زبان ہے جس کو دارا اور اس کے باپ دادا بولتے تھے، یہ ایک خاص قسم کے خط میں لکھی جاتی تھی، جو پیکان یا میخ کی شکل سے مشابہ ہونے کی وجہ سے خط مسمات یا خط میخی کے نام سے مشہور ہے، اس زبان کی عبارتیں خط مذکور میں کوہ بے ستوں ونقش رستم پر کندہ ہیں، اوپستا آتش پرست کی مذہبی کتاب کی زبان اسی دور کی زبان کی بہن خیال کی جاتی ہے، معلومات قدیمہ کی بنا پر زرتشت کی پہلی کتاب کا نام ژند ہے، زرتشت نے اوستائی زبان میں ہی گاتھا نظم مرتب کیا، محققین نے زرتشت کے عہد کو چھٹی صدی قبل مسیح بتایا ہے اوستائی زبان ایران کی جانب شمال میں رائج تھی اور زیادہ تر مذہبی پیشواؤں اور مقدس کتابوں کی زبان تھی۔

(۲) ساسانی دور (۶۲۶ء سے ۶۵۲ء تک) اس عہد کی فارسی کو پہلوی کہتے ہیں، یہ وہ زبان ہے جسے نوشیرواں کے آبا واجداد اور اس کے اولاد واحفاد بولتے تھے یہ بھی ایک خاص قسم کے خط میں لکھی جاتی تھی جو خط پہلوی کے نام سے مشہور ہے، یہ زبان قدیم پارسی اور موجودہ فارسی کے درمیان واقع ہے، ساسانیوں کے عہد میں فلسفہ وحکمت اور دیگر علوم یونانی اور سنسکرت سے پہلوی زبان میں منتقل ہوئے اور انہوں نے ملک کے علم وادب کے خزانے میں اضافہ کیا۔

(۳) اسلامی عہد:۔ جو ۹۰۰ء سے اب تک جاری ہے، اس دور کی فارسی کو محض فارسی کہتے ہیں، جب ایرانی مسلمان ہوئے تو انہوں نے اپنے قدیم مذہب کے جملہ رسوم وآئین چھوڑے، انہوں نے خط پہلوی کو ترک کرکے اس کی جگہ عربی کو اختیار کرلیا، اس وقت سے ایران میں یہی خط مروج ہے، البتہ طرز واسلوب وقتاً فوقتاً بدلتا رہا، اسی دور میں ایک ایسی کتاب لکھی گئی جس کا آج تک جواب نہیں ہوسکا، اور وہ گلستاں ہے۔

فارسی نثر کے موضوعات:۔

قدیم زمانے سے ہی فارسی کی ادبی کتابوں میں حکایتوں اور قصوں کو مختلف صورتوں سے بیان کرنے کا رواج رہا ہے حتی کہ سماجی تربیتی تنقید اور ادبی پہلوؤں سے بحث کرنے والی کتابوں میں قصے بیان کرنے کا طریقہ بعد کے زمانہ میں بھی برقرار رہا، ایران کی تہذیب وتمدن کی تاریخ پر کام کرنے والے ان کتابوں کو نظر انداز نہیں کرسکتے جن میں قصص وحکایات کو ادبی حیثیت کے پیش کیا گیا ہے، اس موضوع پر جملہ کتابوں میں جن کا سرچشمہ پہلوی زبان ہے، ایک کتاب کلیلہ ودمنہ ہے یہ کتاب اصل سنسکرت زبان میں پنچ تنتر کے نام سے تھی جسے ایک فاضل طبیب ''برزوجہ'' نے پہلوی زبان میں ترجمہ کیا۔

اس کے بعد دوسری صدی کے ایک مشہور مترجم اور مصنف عبداللہ بن المقفع نے اسے عربی میں منتقل کردیا، نصر ابن احمد ساسانی کے دور (۳۰۱-۳۳۱ھ/۹۱۳-۹۴۲ء) میں اسی بادشاہ کے حکم سے اس کتاب کا فارسی نثر میں ترجمہ ہوا، فارسی کی قدیم نثری کتابوں میں مسند بادنامہ، مرزبان نامہ اور چہار مقالہ کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے چہار مقالہ کا اصل نام مجمع النوادر ہے، لیکن یہ چہار مقالوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے چہار مقالہ کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کا اصل مصنف نظامی عروضی، سمرقندی ہے جو شاہان غور کے دربار سے وابستہ تھا چہار مقالہ بادشاہوں اور ان کے درباری وزراء سے متعلق سبق آموز واقعات پر مشتمل ایک علمی وفنی کتاب ہے، اس لحاظ سے وہ فارسی نثر نگاری میں ایک مقام رکھتا ہے، عبارت میں بے ساختگی وروانی طرز ادا میں دلفریبی ودلکشی اس کی بندشوں میں حسی اور اس کے فقروں میں ایسی پیوستگی ہے جس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی انہیں چیزوں نے چہار مقالہ کو ایک لازوال حسن بخشا، مذکورہ کتابوں کے علاوہ فارسی نثر پر بہت سی قیمتی وعلمی تصانیف زیر طباعت ہوکر ہر خاص وعام سے داد تحسین حاصل کرچکی ہیں، ان میں انوار سہیلی، شبنم شاداں، بینا زار وغیرہ شامل ہیں۔

ہندوستان میں فارسی زبان وادب کی علمی خدمات اور تاریخی حیثیت

اشاعت اسلام سے پہلے ایران کے باہمی تعلقات سیاسی اور خاص طور سے تہذیبی، لسانی، علمی اور ادبی سطح پر بہت استوار تھے، آریائی نسل کی یگانگت نے ان دونوں ملکوں کو قدیم زمانہ سے ایک دوسرے کے بہت قریب کردیا تھا، دور غزنوی اور غوری میں فارسی زبان سرکاری زبان تھی، عہد غزنوی سے لیکر تیموری حکومت کے زوال تک تاریخ عالم اور تاریخ ہند کا کم وبیش سارا سرمایہ اسی زبان میں قلمبند ہوا، بلکہ ہندوستان کے طول وعرض میں قلعوں، محلات شاہی، مساجد، خانقاہوں اور دوسری تاریخی عمارتوں پر جابجا فارسی میں کھودے ہوئے کتبات، نقوش اور طغری اسی زبان کی وسیع وعریض فرمانروائی کا کھلا ہوا ثبوت ہے، ہندوستان کی دوسری علاقائی زبان مثلاً پنجابی، سندھی، کشمیری، گجراتی اور تلگو وغیرہ کے افکار اور ادب عالیہ کا اگر بہ نظر تلاش وتحقیق مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی کسی نہ کسی شکل میں فارسی کے نفوذ وتاثیر کی کارفرمائی ملے گی، سلطنت مغلیہ کے عہد میں دربار کی زبان فارسی تھی، اس زمانے میں جو فارسی نہیں جانتے تھے، وہ غیر تعلیم یافتہ تصور کئے جاتے تھے، ہندوستان میں فارسی زبان وعلوم کی روایت اور اس کا نقش اولین امراء غزنوی کی علمی دوستی سیاسی مصالح اور ادب نوازی کا نتیجہ تھا، تصوف کے موضوع پر فارسی کی پہلی کتاب کشف المحجوب غالباً ہندوستان ہی میں غزنویوں کے زمانہ حکمرانی میں لاہور میں لکھی گئی۔

ہندوستان میں مسلمان فاتحین کی آمد کے بعد گویا تمدن اسلامی اور فارسی زبان وعلوم کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا اور علمی اور ثقافتی سرگرمیوں کے ذیل میں فارسی زبان میں تصنیف وتالیف کے امکانات اور حالات سازگار ہوئے، جابجا مدرسے، کتب خانے اور مراکز کھلنے لگے، علم وادب کا پرچا وسیع پیمانہ پر شروع ہوگیا، تیرہویں صدی عیسوی کے اوائل میں دہلی سلطنت کے قیام کے دوش بدوش فارسی کی ترقی کی رفتار تیز ہوگئی، ادھر پنجاب میں جب یونانی زرتشتی اور ساسانی حکمراں جلوہ افروز ہوئے اور ان کی فوج کے سپاہی ان کے ساتھ آئے تو اپنی مادری زبان فارسی کی نشر واشاعت کرنے لگے، فارسی ادب سے دلچسپی اور ہمہ گیری کی وجہ سے مشرقی ہندوستان میں اس کا رواج ہوگیا اور باقاعدہ طور پر اٹھارہویں صدی عیسوی سے بنگال کے عوام کا ذہن اس زبان کی طرف ہوا جبکہ انگریز کلکتہ میں کثرت سے آکر بسنے لگے اور رفتہ رفتہ مسلم حکمرانوں کی فارسی تہذیب وروایت بنگال کے رسم ورواج اور معاشرہ میں سرایت کرنے لگی، ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کے بعد شہر کلکتہ کے عوام کی مزید توجہ کا مرکز بن گیا۔

ہندوستان میں ایک بیرونی زبان کی حیثیت سے داخل ہونے کے باوجود اپنی شیرینی تروتازگی، دلکشی اور ہمہ گیری کی بناء پر بہت جلد اس زبان نے ایک تہذیبی اور علمی درجہ حاصل کرلیا اور نہ صرف یہاں کے ثقافتی سرچشموں سے کسب فیض کیا؛ بلکہ اپنی فکری علمی اور ادبی سرمایہ کو بہ حیثیت مجموعی ہندوستانی ثقافت کے مخزن میں ایک بیش قیمت اضافہ کی شکل میں جذب کرنا شروع کیا، علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس زبان نے غیر مذاہب کے لوگوں کو بھی متاثر کیا، ہندوستان کی تاریخ میں غالباً پہلی بار لودی عہد میں ہندوؤں نے نہ صرف اس زبان کو پڑھا لکھا اور سیکھا؛ بلکہ فارسی ادب میں اپنے جوہر اور کمالات دکھلائے، ہندوستان میں فارسی زبان وادب کی گرانقدر خدمات کرنے والی بہت سی ممتاز شخصیات گذری ہیں، دہلی سلطنت کا سب سے پہلا اور بڑا شاعر سراجی تھا جو تاریخی اعتبار سے شیخ جمال الدین ہانسوی اور تاج الدین ریزہ پر تقدم رکھتا ہے، لیکن فارسی علوم اور خاص طور سے شاعری کو حیات تازہ عطا کرنے والی شخصیت امیر خسرو (۱۲۵۳ء تا ۱۳۲۵ء) کی تھی جنہوں نے اس زمین کو آسمان بنا دیا، امیر خسرو کی شخصیت میں ہمیں اپنی گنگا جمنی تہذیب کی تصویر پوری رعنائی کے ساتھ نظر آتی ہے، حقیقتاً وہ اس مشترکہ کلچر کی نمائندگی کرتے ہیں جس کی اساس ہند ایرانی ثقافت کے لطیف ترین عناصر کی باہم آمیزش پر قائم ہے، وہ خود کو تُرک ہندوستانی کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے، انہوں نے تنہا اپنی ذات سے ہندوستانی تہذیب کو مختلف حیثیتوں سے بہت کچھ دیا۔

ہندوستان میں فارسی تراجم

ہندوستان کی اسلامی سلطنتوں میں مغلوں کا زمانہ تراجم کے بارے میں سب سے زیادہ ممتاز نظر آتا ہے، اکبر اعظم ہند کا پہلا بادشاہ ہے جس نے وسیع پیمانہ پر باقاعدہ تراجم کا محکمہ قائم کیا اور مختلف فنون کی کتابوں کو ترجمہ کرنے کا حکم دیا یہ زمانہ علمی حیثیت سے بڑا مبارک زمانہ تھا اس محکمہ میں جن لوگوں سے کام لیا گیا ان میں ممتاز لوگ: فیضی، ابوالفضل عبدالقادر بدایونی، شیخ محمد سلطان، کاشی ناتھ، کشن جوتشی مہانند وغیرہ تھے، عربی کے سبعہ معلقہ کی طرح پنچ کاویہ (پانچ نظم اعظم) سنسکرت زبان کی بہترین نظم ہے جس کا آج تک جواب نہ ہوسکا، اکبر کے دربار کے مشہور ملک الشعراء فیضی نے بڑی محنت سے اس کتاب کو فارسی نظم کے قالب میں ڈھالا، اس میں کل چار ہزار اشعار ہیں، اسی طرح سنسکرت کی مشہور کتاب ''تاجک'' جو علم ہیئت میں تھی ایک عالم ہیئت، مکمل خاں نے اس کا ترجمہ کیا، اس طرح وید کا چوتھا حصہ جس کو اتھروید کہتے ہیں، شیخ بھاون ایک نومسلم برہمن نے ۹۸۳ھ میں عبدالقادر بدایونی شیخ فیضی اور حاجی ابراہیم سرہندی کی مدد سے فارسی میں ترجمہ کیا، مہاراج کرشن کے حال میں ایک مشہور (کتاب) ہری ونس تھی ملا شہری نے اس کا ترجمہ سنسکرت سے فارسی میں کیا۔

تیرہویں صدی عیسوی میں بھی بعض قابل قدر کتابوں کے تراجم ہوئے حسن نظامی نیشاپوری کی تاریخ موسوم بہ تاج المآثر (تصنیف ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۵ء) محمد علی بن حامد بن ابی بکر کوفی کی تاریخ کا عربی سے فارسی ترجمہ بنام چچ نامہ ہوا، موید بن محمد جاجری کے قلم سے امام غزالی کی مشہور عربی تصنیف احیاء العلوم الدین اور ابوبکر کاسانی کے قلم سے بیرونی کی کتاب صیدنہ کا ترجمہ تاریخی اہمیت کے لحاظ سے قابل ذکر ہے، اس عہد میں شہاب الدین سہروردی کی مشہور تصنیف عوارف المعارف کا ترجمہ فارسی میں قاسم داؤد نے ملتان میں کیا اور اسے تاج الدین ابوبکر نامی ایک سردار کے نام معنون کیا۔

Scanned with CamScanner

۲۲ رکروڑ مسلمانوں سے نفرت کا اظہار

احمد اللہ صدیقی

مارچ 2020ء میں جب ہندوستان میں کورونا وائرس کے واقعات رونما ہونے لگے تھے اور نظام الدین کے مرکز کو ایک سپر اسپریڈر قرار دے کر ملک کے مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت انگیزی کی گئی اور انہیں نشانہ بنایا گیا، راقم نے اس وقت بھی اس عنوان کے ساتھ ایک مضمون قلمبند کیا تھا، اس وقت یہ نفرت انگیزی جس بڑے پیانے اور منظّم طریقے سے ہوئی تھی، اگر کورونا وائرس کی وجہ سے ملک میں لاک ڈاؤن نہیں ہوتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کی جس نسل کشی کی جینوسائڈ واچ اور دیگر عالمی تنظیموں کی طرف سے مسلسل پیشین گوئی کی جارہی ہے، یہ واقعہ اسی وقت رونما ہو چکا ہوتا۔ وزیر اعظم مودی نے اچانک پورے ملک میں کورونا وائرس لاک ڈاؤن کا اعلان کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ملک بھر سے غریبوں اور مزدوروں کے اپنے گھروں کیلئے سیکڑوں اور ہزاروں کلومیٹر پیدل مسافت طے کرنے کی اندوہناک خبریں آنے لگی تھیں۔ ایسے میں آر ایس ایس، بی جے پی اور اس کے اتحادی میڈیا کو مودی حکومت کی شدید ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کیلیے قربانی کے بکرے کی تلاش تھی۔ نظام الدین کے مرکز کی شکل میں انہیں ایک علامت اور مسلمانوں کی شکل میں انہیں قصوروار مل گئے۔ ملک بھر میں مسلمانوں کے خلاف یہ صورتحال پہلی لہر تک برقرار رہی، لیکن دوسری لہر میں مسلمانوں کے خلاف نفرت، عداوت اور شدید دشمنی کی اس امر کو قدرت نے اس وقت توڑ دیا جب چتاؤں سے پورا ملک خوفناک انداز میں روشن ہو گیا۔ دوسری لہر میں آکسیجن کی شدید قلت سے گرچہ ہر طبقہ کے لوگ اس کی زد میں آئے لیکن ملک بھر کے شمشانوں میں آخری رسومات کیلئے دو دن اور تین دن تک کا انتظار گنگا کے کنارے ریت میں دبی ہوئی بے شمار لاشیں کچھ الگ کہانیاں بیان کرتی تھیں۔ اس وقت بھی مسلمانوں نے دکھ اور المیہ کی اس گھڑی میں اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ شاید ان میں سے بہت سے لوگ مسلمانوں سے نفرت کرتے رہے ہوں، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے غیر مسلم پڑوسیوں کو آخری رسومات میں کندھا دیا۔ ایسے ہزاروں واقعات تھے۔ ان واقعات نے عام ہندوؤں کو اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کرنے اور سمجھنے پر مجبور کیا کہ مسلمانوں کے خلاف میڈیا کے توسط سے سیاستداں جس طرح کی نفرت انگیزی کر رہے ہیں، وہ پوری طرح سے غلط اور بے بنیاد ہے۔ یہ قدرت کے سبق کا اپنا انداز تھا۔ یہ ملک کے ۲۲ کروڑ مسلمانوں کے خلاف نفرت کے زہر کا تریاق تھا۔ نفرت انگیزی کی یہ صورتحال ملک میں ایک بار پھر بڑے پیمانے پر پیدا کی جارہی ہے۔ بی جے پی کی حکمرانی والی ریاستوں میں مسلمانوں کو مختلف طریقے سے نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اس کے پس پردہ آر ایس ایس اور بی جے پی کے مذموم مقاصد چاہے جو بھی ہوں، لیکن معاشرے میں جس طرح سے خلیج اور تقسیم پیدا ہو رہی ہے وہ خوفناک ہے۔ ملک کے باشعور افراد اس کا برملا اعتراف کر رہے ہیں کہ انہوں نے آزادی کے بعد ملک میں پہلے بھی اس طرح کی صورتحال کا سامنا نہیں کیا۔ غریب مسلمانوں کے گھروں اور دکانوں کو بی جے پی کی حکمرانی والی ریاستوں میں بلڈوزروں سے منہدم کیا جارہا ہے اور مسمار شدہ گھروں کے ملبہ پر آہ و بکا کرتی خواتین اور بچوں کو دیکھ کر سوشل میڈیا اور دیگر پلیٹ فارم پر خوشی اور تسکین کا اظہار کیا جارہا ہے۔ جس ملک میں لوگ غربت اور افلاس کی وجہ سے بھی پوری عمر گزار دیتے ہیں اور ان کے سروں پر اپنا کوئی سائباں نہیں ہوتا اسی ملک میں پائی پائی جوڑ کر بنائے گئے گھروں پر بلڈوزر چلانے پر جب قہقہے لگتے ہیں، جب آتش بازی ہوتی ہے اور میڈیا میں موجود پیادے اس کو بلڈوزر کی طاقت سے تعبیر کرتے ہیں تو یہ ملک کے ۲۲ کروڑ مسلمانوں سے نفرت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ایک شدید بیمار معاشرے کی علامت ہے۔ اگر آپ یہ دیکھ کر دکھ اور قلبی رنج میں مبتلا نہیں ہوتے تو آپ بھی اسی بیمار معاشرے کا حصہ بن چکے ہیں۔ پولیس کا رویہ بھی شدید تکلیف دہ ہے، وہ آئین پر عمل کرنے کی بجائے سیوم سیوکوں کی طرح کام کر رہی ہے۔ رام نومی کے جلوسوں میں اشتعال انگیز نعروں اور مسلم محلوں میں جا کر اکسانے کی کوششوں کے بعد فرقہ وارانہ تصادم کے واقعات میں بڑے پیمانے پر صرف مسلمانوں کو ہی گرفتار کیا جارہا ہے۔ یہ سب کچھ یکطرفہ ہے۔ جینو سائڈ واچ نے ہندوستان میں مسلمانوں کی نسل کشی کی جو پیشین گوئی کی ہے اس میں پہلے سے کہیں زیادہ حقیقت نظر آتی ہے۔ اس ملک کو بی جے پی اور آر ایس ایس اپنی نفرت کی سیاست سے بارود کے ڈھیر پر لے جارہی ہے، ہلکی سی بھی چنگاری شعلہ آتش فشاں میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ آپ چاہیں اپنی طرف سے جس قدر بھی مفاہمت کی کوششیں کریں مسلمانوں کے خلاف آر ایس ایس کی نفرت کی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوگی۔ اس کے نظریہ میں نفرت اور دشمنی کا جو عنصر شامل ہے، وہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

واٹس ایپ اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر کئی ایسے مسلم نوجوانوں کی تحریریں پڑھی جا سکتی ہیں جن میں مایوسی، لاچاری اور بے بسی کا احساس پایا جاتا ہے۔ مسلم نوجوان سوال کرتے نظر آتے ہیں کہ آخر اس طرح کے سخت آزمائش کے وقت میں اپنے گھروں، جان و مال اور عزت و آبرو کو بچانے کیلئے کیا کیا جائے؟ یقین مانئے آر ایس ایس اور بی جے پی کے ذریعہ متعدد ریاستوں میں مسلمانوں کو جس طرح نشانہ بنایا جارہا ہے، ایسے وقت میں ایک متحد آواز پوری طرح سے مفقود ہے۔ ملک میں جس طرح کی صورتحال پیدا ہو رہی ہے، ایسے میں ریاستوں کے مسلمانوں کے مابین ایک مشترکہ پلیٹ فارم کی شدید ضرورت ہے۔ ٹیکنالوجی کا فائدہ اٹھا کر بڑے جلسوں اور میٹنگ کے بھاری بھرکم اخراجات سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ اگر سردست معلم، لیڈران اور ملی تنظیمیں بھی ریاستوں کے مسلمانوں کو ورچوئل کانفرنس کے ذریعہ جوڑ کر ملک کی حکومت کو ایک سخت پیغام دیں تو بھی اس کا کافی اثر پیدا ہو سکتا ہے۔ ملی قدم اٹھانے سے پہلے اپنی زبان سے اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ آج سوشل میڈیا کا زمانہ ہے، ملک کا ہر مسلم گھر اور مسلم نوجوان اپنے گھروں میں بیٹھ کر اس کانفرنس سے جڑ سکتا ہے۔ اس طرح کی کانفرنس کو یوٹیوب اور دیگر سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر بھی لائیو کیا جا سکتا ہے لیکن اس طرح کی بڑی میٹنگ کے انعقاد سے قبل مسلم لیڈران اور تنظیموں کو پہلے ہوم ورک کر کے ایجنڈہ تیار کرنا چاہئے۔ اس وقت ملک کی نازک صورتحال سے آگاہ کرنے کیلئے مسلمانوں کے ہر طبقہ کو اس میں شامل کیا جانا چاہئے۔ پیسے خرچ کرنے کی بجائے اس کیلئے بھی سوشل میڈیا کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔ یہ کام تو اس وقت ہی ہو جانا چاہئے تھا جب کورونا وائرس کی پہلی لہر میں مسلمانوں کو نشانہ بنایا جارہا تھا لیکن اب بھی اگر اس کا آغاز ہو جائے تو اس سے ایک واضح تبدیلی نظر آئے گی۔ اس طرح کی ورچوئل کانفرنس دو گھنٹے سے زیادہ کی نہیں ہونی چاہئے اور عمائدین کو صرف ان نکات پر بات کرنی چاہئے جو مسلمانوں کیلئے ضروری ہیں۔ اس کے ساتھ حکومت کو بھی واضح پیام دیا جانا چاہئے کہ مسلمانوں کو اجتماعی طور پر نشانہ بنانے کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ خبر ہے کہ ممبئی میں مسلم قائدین سر جوڑ کر بیٹھے تھے، اور کچھ فارمولے پر اتفاق بھی ہوا، لیکن ان کو ابھی عام نہیں کیا گیا ہے، سپریم کورٹ میں بابری مسجد کے مقدمہ کی حتمی سماعت کے دوران آر ایس ایس کے ذریعہ پورے ملک میں مسلم رہنماؤں سے ملاقات کر کے یہ تاثر پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ مسلمانوں اور ملک کے اکثریتی طبقہ میں نزاع کا باعث صرف بابری مسجد ہے، اس لئے وہ اگر مسلمان خاموشی کے ساتھ عدالت کے فیصلہ کو قبول کر لیتے ہیں تو سب کچھ درست ہو جائے گا۔ سبھی طبقات باہمی شیر و شکر ہو جائیں گے لیکن یہ آر ایس ایس کا ایک بڑا فریب اور دھوکہ تھا۔ راقم نے اس پر بھی لکھا تھا کہ آر ایس ایس ایک قابل بھروسہ مند تنظیم نہیں ہے۔ پہلے صرف ایک رام مندر کی بات تھی، اب مسلمانوں سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے اطوار، گیان والی مسجد بنارس اور متھرا کی عیدگاہ سے بھی دستبردار ہو جائیں تو وہ چین سے رہ سکیں گے۔ مسلمان اگر ان اشتعال انگیزیوں پر آنکھیں موند بھی لیں تو بھی انہیں برداشت نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے اس کے خلاف متحد ہو کر آواز اٹھانے ہی پڑے گی...

مسلمان تاریخ سے سبق لیں

عارف عزیز

جس طرح سے آپس کا اتحاد سب سے بڑی طاقت ہے، ٹھیک اسی طرح آپس کا اختلاف، انتشار، نفاق، کدورت وغیرہ سب سے بڑی کمزوری ہے، تاریخ کے اوراق اگر کھنگالے جائیں تو پتہ چلے گا کہ جب بھی کسی ملک و ملت پر کوئی آفت آئی تو اس میں باہمی نفاق وعداوت کا کلیدی رول رہا ہے، دیگر ملتوں کی طرح مسلمانوں کو بھی اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں اسی طرح کے حالات سے گذرنا پڑا ہے، بغداد کی خلافت اسلامیہ ۱۱رویں، ۱۲ویں صدی میں اسی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں، ترکی کی خلافت کا بھی یہی حشر ہوا، اس سے قبل اسپین میں مسلمانوں کو ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے حکمرانوں اور عوام کا باہمی نفاق ان کے سیاسی زوال کا سبب بنا۔ حالانکہ اس ملک میں مسلمانوں نے تقریباً ۸ سو سال تک حکومت کی تھی، ان کے دور حکومت میں علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کو جو فروغ ہوا وہ تاریخ عالم کا سنہرا باب ہے۔ اگر دعویٰ کیا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ اسپین کے مسلمانوں نے اپنے عروج کے دور میں علم وفن کے جو چراغ روشن کئے ان سے آج بھی اہلِ علم روشنی حاصل کر رہے ہیں۔ اور اسپین میں مسلمانوں کی یہ کیفیت اس وقت بھی رہی جب کہ اس کے اقتدار و سیاست کی بساط اس ملک میں الٹ چکی تھی اس وقت بھی وہ اپنے عیسائی ہم عصروں سے زندگی کے ہر شعبہ میں آگے تھے لیکن تاریخ کا المیہ ہے کہ اپنی تمام تر ترقیات علمی وحربی صلاحیت کے باوجود انہیں اسپین سے نکلنا پڑا۔ اس المناک واقعہ کی صرف ایک وجہ تھی اور وہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق نہیں تھا۔ ان کا جو حکمراں طبقہ تھا وہ اقتدار واختیار کی حرص میں مبتلاء ہو گیا۔ دانشوروں کے طبقہ میں بھی قول وفعل کی ہم آہنگی نہیں تھی اور ان دونوں طبقوں کے اختلافات اور نفاق سے عام لوگ بھی متاثر ہوئے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی طاقت روز بروز کمزور ہوتی چلی گئی اور وہ قوم جو نویں دہائی میں ایک فاتح کی حیثیت سے اسپین میں داخل ہوئی تھی اسے ۱۴۹۲ء کو ایک مجبور و مقہور قوم کی حیثیت سے اس سرزمین سے نکلنا پڑا تھا۔ ایک دور ایسا آیا کہ انگریز حکمراں بن بیٹھے اور یہ صورت حال بھی مسلمانوں کے باہمی نفاق اور انتشار کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ کچھ دوسرے عوامل بھی ہو سکتے ہیں، لیکن بنیادی بات یہی تھی کہ اس وقت کے نہ مسلم حکمرانوں میں اتحاد تھا اور نہ برادرانِ وطن نے انگریزوں کے خلاف ہندو مسلم اتحاد کی قدر و قیمت کو سمجھنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں کی حکومت یہاں قائم ہو گئی اور یہ بھی اب تاریخ کا ایک باب ہے کہ جب ان دونوں میں اتحاد پیدا ہوا تو اس نے تحریک کی شکل اختیار کر لی جس کے نتیجہ میں انگریزوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور ملک آزاد ہوا۔ تاریخ کے یہ واقعات ہیں جن سے مسلمانوں کو سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے لیکن کیا ان کی موجودہ صورت حال اس بات کی گواہی دیتی ہے۔ انہوں نے ماضی کے واقعات سے کوئی سبق حاصل کیا ہو، اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کا جواب نفی میں ملے گا۔ ہندوستان کے مسلمان اس وقت جس قدر منتشر حالت میں ہیں شاید ہی پہلے کبھی رہے ہوں گے۔ ان کے اندر صرف عمل کا ہی انتشار نہیں فکر کا بھی انتشار ہے۔ وہ ان گنت خانوں میں بٹے ہوئے ہیں، اگرچہ یہ درست ہے کہ ملی اتحاد کی باتیں بہت کی جاتی ہیں اور ہر پلیٹ فارم سے کی جاتی ہیں لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ جس جس پلیٹ فارم سے اتحاد و اتفاق کی تلقین کی جاتی ہے چند دنوں بعد وہی پلیٹ فارم کئی ٹکڑوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ کاش کہ مسلمان اب بھی تاریخ سے سبق لیں۔

Scanned with CamScanner

حسنِ اخلاق

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر

آدمی اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ جو کام نرمی سے لیا جا سکتا ہے وہ سختی سے نہیں ہو سکتا، غصہ سے بات بگڑے گی، تحمل سے معاملہ قابو میں رہے گا، جھوٹ بولے گا لوگ بے زار ہوں گے، نفرت کریں گے، سچ بولے گا ہمدردی حاصل کرے گا، اعتماد پائے گا، خوش اخلاقی سے پیش آئے گا تو لوگ گرویدہ ہوں گے، بداخلاقی کا مظاہرہ کرے گا دور بھاگیں گے، عجیب بات ہے، تمام حقائق پر واقف ہونے کے باوجود نہ معلوم کیوں انسان اچھی صفات کو اختیار کرنے سے کتراتا ہے، قلب کی کون سی کجی اور ذہن وفکر کی کون سی کمزوری ہے جو اسے ایسا نہیں کرنے دیتی وہ چاہنے کے باوجود بھی اچھی چیزوں کو اپنانے میں کامیاب نہیں ہوتا حالاں کہ اگر آدمی سچ بولے نہ تو کوئی خوف ہے، نہ کوئی اندیشہ، نہ کوئی ڈر اور نہ کوئی خطرہ، نہ سوال وجواب، نہ بازپرس مگر پھر بھی آدمی جھوٹ بولتا ہے اس میں اندیشے ہیں اور ہر وقت یہ دھڑ کا لگا رہتا ہے کہ کسی بھی وقت راز کھل جائے گا، جھوٹ کا پردہ چاک ہو جائے گا، لوگ ذلیل کریں گے، اہانت اور توہین کا خیال بھی اسے جھوٹ بولنے سے نہیں روک پاتا۔

خوش اخلاقی ایک ایسی صفت اور عادت ہے جس سے انسان نازک سے نازک ترین مواقع پر کامیاب ہو کر نکلتا ہے، جن مراحل میں انتہائی دشواریوں اور ناکامیوں کے امکانات ہوتے ہیں بلند اخلاقی سے آدمی ان دشواریوں پر قابو پالیتا ہے، خوش اخلاق آدمی ان معاملات میں بھی سرخ رو ہوتا ہے جس میں مقابل کچھ سننے کے لیے آمادہ اور تیار نہیں ہوتا، بڑی بات تو چھوڑ دیجئے چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں میں بھی اگر بداخلاقی کے ساتھ پیش آیا جائے تو ناکامی ہوتی ہے اور بڑے سے بڑے معاملہ میں حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے تو قدم پیچھے کھینچنے نہیں پڑتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ سے جو سبق ہمیں ملتے ہیں اس کے تمام گوشوں پر تو گفتگو ممکن نہیں تمام اچھی صفات اور عاداتِ متبرکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا حصہ تھیں۔ دنیا نے ہر طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمایا اور عمل کی ہر کسوٹی پر پرکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھرے ہی اترے العیاذ باللہ کھوٹ کا کوئی تصور تو کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ہی ہیں کہ آپ نے جانی دشمنوں کے درمیان کھڑے ہو کر کلمہ ؟ توحید بلند کیا، بتوں کی اور باطل معبودوں کی تکذیب کی، انھیں کفر وشرک کی گمراہی وضلالت سے نکالنے کی کوشش کی اور کامیابی کی بنیاد جو چیز بنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کریمانہ تھا، ورنہ ظاہر ہے آپ تنہا ہیں، کوئی آپ کا ہمدرد اور ساتھی نہیں، آپ کے پاس دولت اور امارت نہیں، نہ آپ حکمراں ہیں، نہ حکمرانی آپ کے قدموں تلے ہے، نہ لشکر میسر ہے، نہ جاہ وسپاہ، جب یہ سب کچھ نہیں تو آپ کیسے آگے بڑھتے چلے گئے پہلے ابوبکر صدیقؓ آئے، خدیجہؓ آئیں، علیؓ آئے، سلسلہ قائم ہو گیا، اِکا دُکا لوگ داخل اسلام ہونے لگے، حمزہؓ بھی کلمہ پڑھ چکے، عمرؓ بھی آگئے، روز ایمان والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، اصحابِ رسول کا حلقہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، تنگ حالات ماضی کا حصہ بن رہے ہیں، حال روشن ہو رہا ہے اور مستقبل کی خوشگواریاں چند قدم کے فاصلہ پر ہیں، کیا وجہ ہے؟ یہ سب کیسے ممکن ہوا؟ تلوار کے بل پر؟ افراد کی کثرت سے؟ کہتے رہئے سچ یہ ہے اور تاریخ اس کی گواہ ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق عظیم اسلام کے بڑھنے اور پھیلنے کا سبب بنا۔ اس اخلاق کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، نظر انداز کرنے والے پسپا ہوتے ہیں شکست کا زخم سہتے ہیں، دیکھنا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھئے کہ اخلاق نے ایک ایسے انقلاب سے دنیا کو روشناس کرایا جس کا تصور بھی اتنی قلیل مدت میں نہیں کیا جا سکتا، تاریخ انسانی اس حقیقت کو صرف ایک بار صفحات پر درج کر سکی ہے اور اس حقیقت کا زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔

خوبصورت اخلاق کو اختیار کرنے، حسنِ اخلاق سے رہنے اور اخلاقی عظمتوں کو اپنی زندگی میں باقی رکھنے کی تاکید اس کے فوائد اور اس کے بہترین نتائج کی جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرمائی ہے اور احادیث کا بڑا ذخیرہ ہے جس میں اخلاقی عظمتوں کا بیان موجود ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا مومن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ رکھنے والے اور رات بھر عبادت کرنے والے کے درجہ کو حاصل کر لیتا ہے“۔ روزے کی فضیلت کا کیا ٹھکانا خداوند قدوس نے ایک روزہ دار کے جو مراتب متعین فرمائے ہیں اور پھر رات بھر مصروفِ عبادت انسان کا جو درجہ ہے اس کی نشاندہی فرمائی ہے، اس کا اندازہ ہر باخبر کو ہے مگر اچھے اخلاق والا صرف اخلاق کی بنا پر اس درجہ کو پالیتا ہے۔ حضرت ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس شخص کے لیے جنت کے اطراف میں ایک گھر (دلانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود بھی جھگڑا چھوڑ دے اور اس شخص کے لیے جنت کے درمیان میں ایک گھر (دلانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں جو مذاق میں بھی جھوٹ چھوڑ دے اور اس شخص کے لیے جنت کے بلند ترین درجہ میں ایک گھر (دلانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں جو اپنے اخلاق اچھے بنا لے“۔

اچھے اخلاق والے کے لیے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمہ داری کا اعلان فرمایا کہ جنت کے بلند ترین درجہ میں ایک گھر دلانے کی ذمہ داری لیتا ہوں، یہ اخلاق کی عظمت، اخلاق کی رفعت، اخلاق کی قیمت، اخلاق کی اہمیت کا اعلان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ذمہ داری کو اپنے سر لے رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا وہ مسلمان جو شریعت پر عمل کرنے والا ہو اپنی طبیعت کی شرافت اور اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے اس شخص کے درجہ کو پالیتا ہے جو رات کو بہت زیادہ قرآن کریم کو نماز میں پڑھنے والا اور بہت روزہ رکھنے والا ہو“

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (قیامت کے دن) مومن کے ترازو میں اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی۔

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ: آخری نصیحت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمائی جس وقت میں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھ لیا تھا وہ یہ تھی ”معاذ اپنے اخلاق کو لوگوں کے لیے اچھا بناؤ“

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو اللہ تعالیٰ (کی رضا حاصل کرنے) کے لیے تواضع کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرماتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نگاہ میں اونچا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا ہو جاتا ہے اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوتا ہے لیکن دوسروں کی نظروں میں وہ کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

ان احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پاکیزہ اخلاق، بلند اخلاق اور اچھے اخلاق والے انسانوں کو اللہ کی رضا کی خوشخبری دی گئی انھیں بتایا گیا کہ قیامت کے دن مومن کے ترازو میں اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی دوسرا عمل نہیں ہوگا۔ اچھے اخلاق والا بہت زیادہ قرآن کریم پڑھنے والے اور بہت روزے رکھنے والے شخص کے درجہ میں ہوگا حاصل کلام یہ اگر اخلاق اچھا نہیں ہے تو ذلت وخواری ہے اگر اخلاق اچھا ہے تو عزت وقبولیت ہے، اخلاق کی دولت سے مالا مال ہے تو ہر کوئی آگے بڑھ کر استقبال کرے گا، بداخلاقی کا پیکر ہے لوگ دور بیٹھ کر اس کی بداخلاقی کا نظارہ کریں گے، کوئی اس کے قریب نہیں آئے گا، کوئی اس سے ملنا نہیں چاہے گا، کوئی اس سے معاملات نہیں کرے گا اور پیہم بداخلاقی کی وجہ سے ایسا شخص آہستہ آہستہ تنہا رہ جائے گا اور تنہائیوں کا شکار ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوگا۔

انسان خیر وشر کا مجموعہ

ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو مادّے رکھے ہیں، ایک خیر کا مادّہ اور دوسرا شر کا مادّہ۔ خیر کے مادّے سے وہ اچھے افعال انجام دیتا ہے اور شر کے مادّے سے برائی، بدی اور معصیت کا ارتکاب کرتا ہے، کوئی بھی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ انسان بنا ہی اس لئے ہے کہ اس میں خیر اور شر دونوں مادّے موجود ہیں، اگر وہ خیر محض ہوتا تو انسان نہ ہوتا اس کو فرشتہ کہتے اور اگر شر محض ہوتا تب بھی انسان نہ ہوتا، اس کو شیطان کہتے تو جس میں شر کا نشان نہیں ہے وہ فرشتہ ہے اور جس میں خیر کا نشان نہیں ہے وہ شیطان ہے۔ انسان دونوں کا مجموعہ ہے، انسان خیر وشر کا مجموعہ ہے، اسی لئے اس میں ترقی ہے۔ نہ فرشتہ ترقی کر سکتا ہے نہ شیطان، مادّی اور روحانی جتنی ترقی کی ہے وہ انسان نے کی ہے۔ اس لئے کہ اس میں دونوں مادّے موجود ہیں اور ضدیں جب ٹکراتی ہیں تبھی تو تیسری چیز پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے انسان کو اللہ تعالیٰ نے ترقیات عطا فرمائی ہیں کہ اس میں یہ دونوں مادّے موجود ہیں۔ (جواہر حکمت، از حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے کچھ اہم پہلو

مولانا حمیداللہ قاسمی، سنت کبیر نگر

اخلاق کا لفظ ذہن میں آتے ہی ایک ایسا خاکہ ابھر کر سامنے آجاتا ہے کہ جس کو ہر آدمی اپنانے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ اخلاق انسان کا ایک ایسا جز ہے کہ جس کے اندر یہ صفت پائی جاتی تو سمجھ لیجئے کہ وہ کامل انسان ہے، اخلاق ایک ایسی دوا ہے جو دل ودماغ دونوں کو غذا پہنچاتا ہے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور عبادت کی زینت اخلاق کو قرار دیا ہے، قیامت کے دن مومن کے میزان عمل میں کوئی چیز حسن اخلاق سے زیادہ باوزن نہیں ہوگی، اسی طرح مومن اپنے حسن اخلاق ہی کی وجہ سے ہمیشہ روزہ رکھنے اور تہجد گزار کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے، مسلم شریف کی روایت ہے کہ ”نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور برائی وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تمہیں ناپسند ہو کہ لوگ اسے جانیں۔“ (رواہ مسلم وابوداؤد) ترمذی شریف میں ایک جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو“ چنانچہ عظمت اخلاق آخری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز ہے، سارے انبیاء اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے دنیا میں آئے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ہدایت کے آخری رسول ہیں، یا یوں سمجھئے کہ قرآنی نظریہ اخلاق ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ اخلاق ہیں، جب نظریہ عمل میں ڈھلتا ہے تو کمی بیشی عموماً ہو جاتی ہے، مگر اخلاق کا نظریہ جتنا معقول اور مستحکم ہے اتنا ہی مستحکم اخلاق کا نمونہ بھی ہے، اسی لیے دنیا کے بیشتر مفکرین اور معلّمین کی نظر میں اخلاق کا درس خوشنما نظر آتا ہے، مگر جب ان کے قریب جائیے تو فکر وعمل کا تضاد اور گفتار وکردار کا اختلاف سامنے آتا ہے؛ لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ ہے کہ ان کی گفتار جتنی پاکیزہ ہے، کردار اتنا ہی پاکیزہ نظر آتا ہے، تعلیم جتنی روشن نظر آتی ہے، سیرت اتنی صیقل دکھائی دیتی ہے، کہیں پر کوئی جھول یا کسی قسم کا کھوٹ نہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ واقعی اس اعزاز کے مستحق تھے؛ کیوں کہ وہ کون سا خلق حسن ہے جو آپ کی ذات گرامی میں نہیں تھا، حیاء جس کو تمام اخلاق میں سب سے افضل اور عظیم ترین خلق قرار دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں اس کے دخل کا یہ حال تھا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باکرہ اور بے نکاح لڑکی اپنے پردے میں جس قدر حیا کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیادار تھے۔

غصہ کو دبانا اور ضبط کرنا بڑی اعلیٰ صفت ہے جو برسوں کی ریاضت کے بعد کسی کو حاصل ہوتی ہے، اس کے فضائل بیان کر دینا تو آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ اعلیٰ صفت کوٹ کوٹ کر بھی ہوئی تھی، اگر سیرت کا مطالعہ غور سے کیا جائے تو اس کی مثال قدم قدم پر ملیں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب مکہ سے ہجرت کر کے (اونٹ پر سوار ہو کر) مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو رہی تھیں، تو راستہ میں ہبار بن اسود نامی ایک شخص نے انہیں اتنی تیزی سی نیزہ مارا کہ وہ اونٹ سے گر پڑیں، حمل ساقط ہو گیا، اس صدمہ سے تاب نہ لا سکیں اور اللہ کو پیاری ہو گئیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس حادثہ کی خبر ہوئی تو آپ بہت غضب ناک ہوئے اور آپ کو اس بات سے بہت صدمہ ہوا، جب بھی اس حادثہ کی یاد تازہ ہو جاتی تو آب دیدہ ہو جاتے؛ لیکن جب ہبار بن اسود اسلام لے آئے اور معافی کی درخواست کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں معاف کر دیا۔

اسی طرح وحشی بن حرب جن کی ذات سے اسلامی تاریخ کے تلخ ترین حادثہ کی یاد وابستہ ہے، کہ جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ومشفق چچا کو قتل کیا تھا؛ لیکن جب انھوں نے اسلام لا کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام تسلیم فرما لیا، (بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

Scanned with CamScanner

موجودہ حالات اور امت مسلمہ

مولانا محمد سلمان بجنوری

شمع کی طرح جئیں بزم گہہ عالم میں　　　خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کردیں

اس وقت مسلمان، پوری دنیا میں جن حالات سے گزر رہے ہیں انھوں نے فکرمند لوگوں کو حد درجہ تشویش میں مبتلا کر رکھا ہے، ایک طرف تو عالمِ اسلام کے نام سے موسوم اُس مبارک خطہ کی صورتِ حال ہے جو اگر واقعتہً عالم اسلام ہوتا تو یقیناً یہ حالات نہ ہوتے، موجودہ دور میں اس خطے کو فقط عالمِ مسلمین کہا جاسکتا ہے، اور پھر مسلمان بھی جس معیار کے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس کے سبب بیمار ہوئے ہیں اسی عطار کے بیٹے سے دوا لینے کی غلطی مسلسل کررہے ہیں، اس سنگین غلطی نے صورتِ حال کو قابو سے باہر کردیا ہے، جن لوگوں کی نظر، یمن، شام، عراق اور فلسطین ومصر کے حالات پر ہے، وہ ہر صبح کسی انہونی کا خطرہ دل میں لیے اٹھتے ہیں اور ہر دن کی خبریں ''اوروں کی عیاری'' اور ''مسلم کی سادگی''؛ بلکہ مجرمانہ سادگی کے شواہد پیش کرتی نظر آتی ہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان ماؤں کی گودوں میں ابوعبیدہؓ وخالدؓ نہیں، زنگی وایوبی نہیں بلکہ سلطان عبدالحمید کے نمونے بھی پیدا ہونے بند ہوگئے ہیں، جس نے ہرٹزل کی بھاری رشوت کے بدلے فلسطین دیے جانے کی درخواست کو ٹھکرادیا تھا اور یہ کہا تھا کہ میری حیات میں تو بڑی سے بڑی قیمت پر فلسطین کی ایک بالشت زمین وہ حاصل نہیں کرسکتے؛ البتہ اگر کبھی خلافت کا خاتمہ ہوگیا تو پھر بغیر کسی قیمت کے فلسطین لینا ان کے لیے ممکن ہوجائے گا۔ افسوس صد افسوس کہ یہ دوسری بات سچی ہوگئی اور آج فلسطین ہی نہیں، ہر اسلامی ملک میں عالمی طاقتوں کے ہراوَل دستے ثابت ہونے والے لوگوں کی فصلیں اُگ رہی ہیں۔

دوسری طرف بہت سے وہ ممالک ہیں جہاں مسلمانوں کی حکومت نہیں ہے؛ مگر وہاں مسلمان کم یا زیادہ تعداد میں رہتے ہیں، ایسے متعدد ملکوں میں بھی حالات نازک ہوتے جارہے ہیں، بالخصوص برما کے روہنگیائی نسل کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم نے تو اقوامِ متحدہ جیسے عالمی طاقتوں کے نمائندہ ادارے کو اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ اپنا بھرم رکھنے ہی کے لیے سہی، ان مظلوموں کی مظلومیت کا اعتراف اتنی قوت سے کرے کہ ان کو دنیا کی مظلوم ترین اقلیت قرار دے۔ وہاں ہونے والے ظلم وستم نے برما کی، ''نوبل امن ایوارڈ'' یافتہ لیڈر آنگ سان سوچی کی شبیہ دنیا کے امن پسندوں کی نظر میں اس درجہ خراب کردی کہ وہ اس سے امن ایوارڈ واپس لیے جانے کا مطالبہ کرنے لگے۔

برما کے علاوہ چین سمیت اور بھی بعض ممالک میں بندہ؟ مومن کے اوقات بہت تلخ چل رہے ہیں اور جان ومال، عزت وآبرو اور امن وامان کو درپیش خطرات کے حوالے سے تو ہمارے وطن عزیز سمیت شاید ہی کسی ملک میں اطمینان کی صورت حال ہو۔ ان حالات نے تشویش واضطراب کی لہر تو تمام ہی کلمہ گو انسانوں میں دوڑا رکھی ہے اور وہ بے یقینی اور بے چینی کی کیفیت سے گذر رہے ہیں؛ البتہ مستقبل کے حوالے سے دو طرح کے ذہن ہمارے درمیان پائے جاتے ہیں: ایک ذہن وہ ہے جو خوف، مایوسی اور دہشت کا اس درجہ شکار ہے کہ وہ صحیح تدبیریں سوچنے کی صلاحیت بھی کھوتا جارہا ہے اور اس سے اندیشہ ہے کہ وہ کسی افراط وتفریط کا شکار نہ ہوجائے۔ دوسرا ذہن وہ ہے جو امید کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہتا اور وہ حالات کی کسی بھی سنگینی کو ناقابلِ تبدیل نہیں سمجھتا؛ بلکہ یہ یقین رکھتا ہے کہ　ع

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے

البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ صحیح فکر رکھنے والا یہ طبقہ بھی کسی سنجیدہ، مثبت اور مو؟ ثر اقدام کی پوزیشن میں نظر نہیں آرہا ہے، جس کے اسباب پر گفتگو کا یہ موقع نہیں ہے، سردست صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ مایوس طبقہ کو یا عام مسلمانوں کو صحیح نہج پر لانا بھی اسی طبقہ کی ذمہ داری ہے؛ اس لیے جس سے جو کچھ بن پڑے اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

فی الحال اس بارے میں دو باتیں عرض کرنی ہیں: پہلی بات کا تعلق امت کے ہر طبقہ اور تمام افراد سے ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم سب کا ایمان ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، اللہ رب العزت کے حکم سے ہوتا ہے۔ تمام انسانوں کے دل اللہ کے قبضے میں ہیں اور یہ کہ مشکل حالات اس امت کی تاریخ میں پہلی بار نہیں ہیں۔ کیا اس وقت کے حالات ۶۵۶ھ کے خلافتِ عباسیہ اور بغداد کے حالات سے زیادہ سخت اور مایوس کن ہیں؟ جن کو پیشِ نظر رکھ کر شیخ سعدیؒ جیسے ذہین شخص نے یہ شعر کہا تھا کہ

آسماں را حق بُود گر خوں ببارد بر زمین
بر زوالِ مُلکِ مستعصم امیر المؤمنین

یعنی آسمان کو حق ہے کہ وہ امیر المومنین مستعصم باللہ عباسی کی حکومت کے زوال کی وجہ سے زمین پر خون کی بارش برسائے۔ ظاہر ہے کہ مشکل حالات ہر دور اور ہر علاقہ میں آئے ہیں؛ اس لیے مایوس وخوفزدہ ہونے کے بجائے حالات کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ اسی مرحلے پر آکر ہم سے چوک ہوجاتی ہے، ہم میں سے جو بھی آدمی حالات کی اصلاح کے بارے میں فکرمند ہوتا ہے وہ شاید اپنے علاوہ باقی سب لوگوں کو حالات کا ذمہ دار سمجھتا ہے؛ اس لیے دوسروں کی اصلاح کی فکر کرتا ہے اور اپنے بارے میں غور کرنے کی زحمت نہیں کرتا۔ عام طور پر جب حالات کی بات آتی ہے تو حکمراں طبقہ اور قائدین کو لعنت ملامت شروع کردی جاتی ہے؛ بلکہ یہ کارِ خیر کرکے اپنی ذمہ داری ختم سمجھی جاتی ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ قائدین کی ذمہ داری زیادہ بڑی ہے اور ان کی کوتاہیاں بھی بڑی ہی ہوسکتی ہیں؛ لیکن ہم اس حقیقت کو کیوں فراموش کرجاتے ہیں کہ قائدین بھی ہم میں سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور ہم جیسے کمزور ایمان اور غلط اعمال والے لوگوں کے لیے کسی زیادہ بہتر قیادت یا حکمرانوں کا ملنا خواب وخیال ہی کی بات ہوسکتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہم اپنے ذاتی کردار کے حوالے سے انتہائی پست اور ناقابل بیان حالت میں مبتلا ہیں۔ ہم میں کتنے لوگ ہیں جو اپنے اوپر اللہ کی شریعت پورے طور پر نافذ کرنے کے لیے بخوشی تیار ہوں، جو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی پوری ذمہ داری سے کرنا چاہتے ہوں اور کرتے ہوں، جو عبادات کا حق نہیں، فرض ہی ادا کرنے کے لیے تیار ہوں، جو صداقت وشجاعت اور دیانت وامانت کے اوصاف سے متصف ہوں، جن کے اخلاق، اسلامی اور نبوی اخلاق کا نمونہ ہوں، جو اپنی زبان یا ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاتے ہوں، جو اپنے ذاتی فائدے کے لیے ملت کو یا کسی دوسرے انسان کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرتے ہوں، جو اپنے منصبی فرائض پوری ذمہ داری سے ادا کرتے ہوں، جو اپنے حصے کی ذمہ داری پوری کرکے اللہ سے مدد مانگتے ہوں جن کو تنہائی میں یہ یاد رہتا ہو کہ ہمارا رب ہمیں دیکھ رہا ہے، جو اپنے رب سے استغفار کا اہتمام کرتے ہوں جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گذارنے کو باعثِ عزت سمجھتے ہوں، جو اپنے کلمہ گو بھائیوں سے حسد نہ رکھتے ہوں، جو اللہ کے کلامِ مقدس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہوں اور اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی سنجیدہ فکر رکھتے ہوں۔ اگر ایسے لوگوں کی تعداد ہم میں کم ہے اور یقیناً کم؛ بلکہ بہت کم ہے تو پھر ہم کس منہ سے اپنے آپ کو اللہ کی مدد کا مستحق گردانتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ ہر فرد اپنی اصلاح کی فکر کرے اور اپنے رب سے اپنا تعلق استوار کرے۔

دوسری گذارش افراد کے ساتھ جماعتوں، اداروں اور تنظیموں سبھی سے ہے اور وہ یہ کہ موجودہ حالات میں خواہ وہ کسی بھی ملک کے ہوں، ہماری اجتماعیت وقت کا سب سے بڑا تقاضا ہے، اس سلسلے میں یہ امید یا مطالبہ تو زیادہ ہی سادگی کے مرادف ہوگا کہ ہم اپنے تمام تر اختلافات بھلاکر ایک ہوجائیں اور اپنی اپنی علیحدہ شناخت ختم کردیں۔ ظاہر ہے یہ بات عملاً ناممکن ہے؛ البتہ دو باتیں بالکل عملی ہیں اور اجتماعی معاملات میں اگر ہم نے اپنے آپ کو ان دو باتوں پر بھی آمادہ نہ کیا تو پھر ہمارا اختلاف ہماری تباہی کا سبب ہوگا اور ہم پر کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔

پہلی بات تو یہ کہ جن معاملات کا تعلق پوری ملت یا امت سے ہو، اُن میں کسی بھی طرح متحدہ موقف اپنایا جائے خواہ اُس کے لیے کوئی قربانی ہی دینی پڑے اور اس کے لیے عمومی ذہن سازی پر بھی محنت کی جائے۔

دوسری بات یہ کہ اختلاف کی بنیاد ذاتی مفاد پر نہ ہو اور کسی صحیح بات کو محض اس لیے رد نہ کردیا جائے کہ وہ دوسرے طبقہ کی جانب سے آئی ہے اور کسی غلط بات کی تائید محض اس لیے نہ کی جائے کہ وہ ہمارے حلقہ کی ہے؛ بلکہ شریعت وسنت اور ملت کے اجتماعی مفاد کو سامنے رکھ کر رائے قائم کی جائے۔

عام طور پر جب لوگ اختلاف کے نقصانات پر غور کرتے ہیں تو وہ سرے سے اختلافات ختم کرنے کا مطالبہ شروع کردیتے ہیں؛ جب کہ یہ غیرفطری بات ہے اور اسی لیے بارآور نہیں ہوتی؛ لیکن اگر ہم یہ سلیقہ پیدا کریں کہ اپنے اختلاف یا علیحدہ وجود کو باقی رکھتے ہوئے بھی مشترکہ معاملات میں اتحاد کرلیا کریں تو یقیناً حالات بدلنے کی امید کی جاسکتی ہے۔

جس دن یہ دونوں باتیں یعنی اپنی ذاتی اصلاح کی فکر اور اجتماعی معاملات میں اتحاد کی فکر، ہمارے مزاج کا حصہ بن جائیں گی اسی دن سے وہ عمل حقیقی معنوں میں شروع ہوگا جسے دعوت کہتے ہیں اور اسی معیار پر ہوگا جس معیار پر اسے ہونا چاہیے، ورنہ ہم جیسے مسلمانوں سے تو کارِ دعوت انجام پانا مشکل ہے؛ البتہ آج کل کے حالات سے جس درجہ فکر اور اندیشوں کا ماحول بنا ہوا ہے، اسے دیکھ کر یہ امید دل میں جاگتی ہے کہ شاید اب ہم حالات بدلنے کی ان صحیح بنیادوں کو اپنانے کی سنجیدہ فکر تک بھی پہنچ جائیں گے، ان شاء اللہ۔

دل کہتا ہے فصلِ جنوں کے آنے میں کچھ دیر نہیں
اب یہ ہوا چلنے ہی کو ہے صبح چلے یا شام چلے

بقیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق۔۔۔۔۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی کیفیت دریافت فرمائی، جب انھوں نے واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گریہ طاری ہوگیا اور فرمایا وحشی! تمہارا قصور معاف ہے؛ لیکن تم میرے سامنے نہ آیا کرو، تمہیں دیکھ کر پیارے شہید چچا کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

وفا- انسانی اور ایمانی صفت ہے جس کے اندر وفا نہ ہو وہ یقیناً انسانیت اور ایمان کے کمال سے محروم ہے قرآن میں بدعہدی کو یہود جیسی مردود قوم کی صفت بتایا گیا ہے اور ایفائے عہد کو مومنوں، متقیوں اور اللہ کے نبیوں کی صفت قرار دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ میں ایک اخلاق یہ بھی ہے کہ آپ ہمیشہ وفائی کرتے تھے بے وفائی اور عہد شکنی نہیں کرتے تھے، حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے قریش نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کام سے بھیجا (یہ اس وقت کی بات ہے جب میں اسلام سے محروم تھا) جب میں نے آپ کی زیارت کی تو فوراً میرے دل میں اسلام کی محبت بیٹھ گئی، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! خدا کی قسم اب میں یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہ تو میں وعدہ خلافی کرتا ہوں اور نہ عہد شکنی کرتا ہوں اور نہ ہی غلاموں کو روکتا ہوں، فی الوقت تم واپس چلے جاؤ البتہ اگر تمہارے دل میں یہی جذبہ، یہی ارمان، یہی تمنا، یہی خواہش رہی تو پھر واپس چلے آنا'' چنانچہ میں اس وقت تو چلا گیا؛ لیکن بعد میں خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق حسنہ کی دولت سے تڑپتی انسانیت کی غمخواری کی، اپنے ازلی وابدی دشمنوں کو پتھر کے جواب میں پھولوں کا گلدستہ پیش کیا، نفرت کے اندھیروں میں الفت ومحبت کی شمع روشن کی، آپسی تفرقہ بازی اور دائمی بغض وعداوت کی بیخ کنی کرکے بھائی چارگی اور الفت ومحبت کے چشمے بہائے، یہی نہیں بلکہ ذرا دو قدم آگے بڑھ کر فتح مکہ کی تاریخ کے اوراق کو الٹ کر دیکھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوتے ہیں، صحابہ کرام کی دس ہزار جمعیت آپ کے ساتھ ہے، صحابہ اعلان کرتے ہیں ''الیوم یوم الملحمۃ'' آج بدلے کا دن ہے، آج جوش انتقام کو سرد کرنے کا دن ہے، آج شمشیر وسناں کا دن ہے، آج گذشتہ مظالم کے زخموں پر مرہم رکھنے کا دن ہے، آج ہم اپنے دشمنوں کے گوشت کے قیمے بنائیں گے، آج ہم ان کی کھوپڑیوں کو اپنی تلواروں پر اچھالیں گے، آج ہم شعلۂ جوالہ بن کر خرمن کفار کو جلاکر بھسم کردیں گے اور گذشتہ مظالم کی بھڑکتی چنگاری کو ان کے لہو سے بجھائیں گے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے اور زمین وآسمان گواہی دیتے ہیں کہ ایسا کچھ نہیں ہوا، رحمت نبوی جوش میں آئی اور زبان رسالت کی صدائیں لوگوں کے کانوں سے ٹکراتی ہیں ''لاتثریب علیکم الیوم واذہبوا انتم الطلقاء'' کہ جاؤ تم سب آزاد ہو، تم لوگوں سے کسی قسم کا بدلہ نہیں لیا جائیگا، یہ تھا آپ کا اخلاق کریمانہ، یہ تھا آپ کے اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ، جس کی مثال سے دنیا قاصر ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت کو اخلاقیت کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا جس کی گواہی باری تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں ''انک لعلی خلق عظیم'' ایک جگہ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اخلاقیت کی گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق'' مجھے تو اس لیے بھیجا گیا ہے تاکہ میں نیک خصلتوں اور مکارم اخلاق کی تکمیل کروں، اسی کو سراہتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے اخلاق حسنہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ''کان خلقہ القرآن''۔

Scanned with CamScanner

کسب حلال کی فضیلت واہمیت

مولانا اسجد عقابی

عام طور سے رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ جب طرز زندگی اور حیات وخدمات کے طور پر کیا جاتا ہے تو ان کے افلاس اور غربت کو اس طور پر بیان کیا جاتا ہے گویا کہ وہ دنیاوی نعمتوں سے بالکل بے خبر ہیں یا پھر وہ حضرات ان کے حصول پر قادر نہیں تھے۔ یا اس بات کو دوسرا رخ اس طور پر دیا جاتا ہے کہ ان مقدس ہستیوں نے کمال کے اس درجہ کو اس لئے پایا تھا کیونکہ انہوں نے دنیا سے بیزاری اختیار کی تھی اور فقر وفاقہ کو اپنے لئے پسند کرلیا تھا۔ ان چیزوں کو بیان کرنے والے حضرات عموما حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی مثالیں اور ان کے واقعات پیش کرتے ہیں۔ ان واقعات کو اس شدت سے بیان کیا جاتا ہے گویا کہ فقر وفاقہ اسلام کا ایک اہم اور بنیادی عنصر ہے جس کے بغیر روحانی منازل طے نہیں کئے جاسکتے ہیں، اور جس کو اپنائے بغیر سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونا ممکن نہیں ہے۔ کسب حلال اور صحابہ کرام کی معاشی حالت کے متعلق احادیث و واقعات کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تابعین اور بعد کے ادوار کے علماء کرام کی زندگی کے ان پہلوؤں کو جان بوجھ کر پس پشت ڈالنے کی سعی کی جاتی ہے جو ان کے کسب حلال اور معاش کو اجاگر کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں ساتھ میں زکوۃ کی ادائیگی کو بھی فرض قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کے پانچ بنیادی ستونوں میں ایک اہم ستون زکوۃ ہے۔ گیارہویں پارے میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے: "**خذ من اموالھم صدقة تطھرھم و تزکیھم بھا وصل علیھم** "ان کے اموال سے صدقہ (زکوۃ) لیجئے تاکہ آپ اس کے ذریعہ انہیں پاک صاف کردیں اور ان کے لئے دعا کیجئے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان کے اموال سے، مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس مال تھا، وہ فقیر ولاچار نہیں تھے، وہ اتنی استطاعت رکھتے تھے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرسکیں۔

زکوۃ کیا ہے اور کن پر واجب ہے

اگر زکوۃ کی تعریف کی جائے تو سب سے آسان تعریف یہ ہے کہ "مال مخصوص کا مخصوص شرائط کے ساتھ کسی مستحق زکوۃ کو مالک بنانا"۔ مال مخصوص صاحب نصاب کے مال و دولت کا چالیسواں حصہ ہے۔ زکوۃ کن پر واجب ہے۔ زکوۃ اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس حوائج اصلیہ سے زائد از ضرورت مال موجود ہو۔ اب یہاں ٹھہر کر اندازہ لگائیں کہ اسلام کا اہم اور بنیادی ستون زکوۃ ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے بلکہ صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے، اسی طرح اسلام کا ایک اور اہم رکن "حج" ان لوگوں پر فرض ہے جو زاد راہ سمیت اہل و عیال کے خرچ کو برداشت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اسلام کے یہ دو اہم اور بنیادی ستون ان لوگوں کے ذمہ ہیں جن کے پاس مال و دولت ہے، جو کسب حلال کے ذریعہ اپنے معاش کو مضبوط کرتے ہیں اور اپنے مال سے اسلام کے احکامات کی بجا آوری کو اپنے لئے باعث سعادت دارین تصور کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "الید العلیا خیر من الید السفلی" دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو لوگ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں، اپنے مال ودولت سے غریبوں کی مدد کرتے ہیں، کسب حلال میں سے فقراء کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں، سائلین کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے ہیں، وہ بندہ مومن بہتر ہے اس بندہ سے جو دوسروں سے مانگ کر اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ جو دوسروں کے دروازوں پر دستک دے کر دست سوال دراز کرتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا: **کلا، واللہ ما یخزیک اللہ ابدا، اِنک لتصل الرحم، وتحمل الکل، وتکسب المعدوم، و تقری الضیف وتعین علیٰ نوائب الحق** "ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتواں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیتے ہیں محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جن صفات حسنہ کو ذکر کیا ہے ان میں سے بیشتر وہ ہے جو کسی مفلوک الحال اور تنگدستی میں زندگی بسر کرنے والے کے بس میں نہیں ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے بغرض تجارت کئی اسفار کئے ہیں اور تجارت کی غرض سے اطراف مکہ کے کئی ممالک کا سفر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا شمار مکہ کی مالدار خاتون میں ہوتا ہے۔ مذہب اسلام تنگدستی اور فقر وفاقہ کی تعلیم نہیں دیتا ہے۔ بلکہ اسلام کہتا ہے: لا رھبانیة فی الاسلام "اسلام میں رہبانیت کا تصور نہیں ہے۔ خود کو تمام طرح کے دنیاوی نعمتوں سے الگ کرنے کی صورت میں اسلام کا اہم ترین فریضہ "دنیا کی امامت" کیسے انجام دی جاسکتی ہے۔

یقیناً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ابتدائی زندگی مشکل بھری تھی۔ مہاجرین صحابہ کے ابتدائی ایام مشکل میں گزرے تھے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہ کا وہ دور بھی آیا ہے جب وہ ریشم کے کپڑوں سے اپنی ناک صاف کرکے غربت کے ایام کو یاد کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابو بکر** "مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہیں پہنچایا جو ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ ابتداء اسلام میں جب غلاموں نے اسلام قبول کیا اور ان پر کفار مکہ کی جانب سے ظلم وستم ڈھائے جانے لگے تو انہیں حضرت ابوبکر نے خرید کر آزاد کرایا تھا۔ مشہور صحابی رسول اور مؤذن رسول حضرت بلال بھی آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت ابوبکر نے ایک دو نہیں بلکہ کئی غلاموں کو خرید کر آزاد کرایا تھا۔ یہ واضح ہے کہ حضرت ابوبکر اس حیثیت کے تاجر اور مالدار شخص تھے کہ غلاموں کو خریدنے اور انہیں آزاد کرنے کی استطاعت رکھتے تھے اور یہ سب کچھ رزق حلال اور کسب حلال کی برکت کی وجہ سے تھا۔

صحابہ کرام کا معاش

اہل مکہ نے تجارت کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ چنانچہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں بھی ان حضرات نے انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے برخلاف جو کاشت کار تھے، تجارت کو اپنا پیشہ بنایا۔ اخوت و بھائی چارگی قائم ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے اسلامی بھائی حضرت سعد سے فرمایا کہ مجھے صرف بازار کا راستہ بتادو۔ اللہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی تجارت میں وہ برکت عطا فرمائی کہ آپ کا شمار مالدار ترین اصحاب رسول ﷺ میں ہوتا ہے۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن غنی رضی اللہ عنہ نے جب غزوہ تبوک کے موقع پر تین سو اونٹ مع ساز وسامان کے مرحمت فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "**ما علی عثمان ما عمل بعد ھذہ ما علی عثمان ما عمل بعد ھذہ** "۔ اب عثمان پر کوئی مواخذہ نہیں جو بھی کریں، اب عثمان پر کوئی مواخذہ نہیں جو بھی کریں۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تجارت سے وابستہ تھے، حضرت زبیر بن عوام، زید بن ثابت اور خباب بن ارت یہ وہ اصحاب رسول ہیں جن کے گھروں میں درہم و دینار ڈھیر میں پڑے رہتے تھے، اور ایک ایک وقت میں لاکھوں راہ خدا میں خرچ کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام کی مقدس جماعت کے پاس مال ودولت کی کثرت اتفاقیہ امر نہیں تھی بلکہ یہ کسب حلال کی برکت تھی۔

کسب حلال کی فضیلت

اسلام ایک پاکیزہ مذہب ہے اور یہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ میں پاک لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔ اسلام نے کھانے پینے اور دیگر ضروریات زندگی میں بھی ان باتوں کا بہت زیادہ خیال رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**فکلوا مما رزقکمُ اللہ حلٰلا طیبا، و اشکرو نعمت اللہ ان کنتم اِیاہُ تعبدون** "۔ تو اللہ نے تم کو جو روزی دی ہے، ان میں سے حلال و پاک چیزیں کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرتے ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدہ، و ان نبی اللہ داؤد کان یاکل من عمل یدہ** "۔ کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کبھی کھانا نہیں کھایا (اپنی محنت کی کمائی سے) اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ اس حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ اپنے ہاتھ کے کسب حلال سے بہتر کوئی اور رزق نہیں ہے۔

کسب معاش کی فضیلت

کسب معاش ایک اہم فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "**فاِذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض و ابتغوا من فضل اللہ** "۔ پھر جب نماز پوری ہوجائے تو اللہ کی زمین میں پھیل جاؤ، اللہ کی روزی تلاش کرو۔ اس آیت میں مسلمانوں کو کسب معاش کی جانب ابھارا گیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ رزق حلال کی تلاش میں رہے۔ وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت و بندگی سمیت تجارت میں مشغول رہتے ہیں اور ان کی تجارت انہیں یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتی ہے، ان کی تعریف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا: "رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ و اِقام الصلوۃ و اِیتاء الزکوۃ"۔ وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کو یاد کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے سے غفلت میں نہیں ڈالتی ہے۔ ایسا اس لئے ہے کیونکہ کسب معاش بھی ایک اہم فریضہ ہے اور فریضہ کی ادائیگی کے لئے تگ ودو کرنا مستحسن عمل ہے۔

بقیہ مدارس میں انگریزی سکھانے کی ضرورت و اہمیت...... یہ فضلا کے لئے خاموش پیغام ہے کہ ان کی توجہ کا اولین ہدف دفاع اسلام ہونا چاہیے، اور اس کے لئے انگریزی زبان، مغربی افکار، مغربی اور ہندوستانی تاریخ سے واقف ہونا ضروری ہے۔

انگریزی زبان سے واقفیت کے ذریعہ ہمارے فضلاء عصری درسگاہوں اور بالخصوص انگلش میڈیم اسکولوں میں بہتر طور پر کسی احساس کمتری کے بغیر اسلامیات کی تعلیم دے سکتے ہیں، یہ ایک اہم کام ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کام کی اہمیت بڑھتی جارہی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ مسلم مینجمنٹ کے تحت چلنے والے اداروں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، اور وہاں اسلامیات کی تعلیم کے لئے ایسے اساتذہ کی ضرورت پڑ رہی ہے جو انہیں انگریزی زبان میں دینی تعلیم دے سکیں، اردو زبان میں اگر انہیں تعلیم دی جائے تو اول تو بہت سے طلبہ اسے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، دوسرے چونکہ اس وقت انگریزی زبان کا جادو پورے ماحول پر اثر انداز ہے، اس لئے طلبہ اردو زبان میں ہونے والی تعلیم کو قدر وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور خود مدرس میں بھی احساس کمتری پیدا ہوجاتا ہے۔

اسی سے قریب تر چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اگر علماء انگریزی زبان سے واقف ہوں تو وہ بہتر طور پر نئی نسل سے مخاطب ہوسکتے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے دینی مدارس اور علماء کا طبقہ عربی وفارسی آمیز الفاظ نیز علمی اصطلاحات سے بوجھل جس طرح کی اردو بولتا ہے وہ اکثر نئی نسل کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے، بہت سے نوجوان عقیدت کے جذبہ اور ادب کے تقاضہ سے سر جھکا کر بظاہر توجہ کے ساتھ ہم جیسوں کی بات سنتے ہیں؛ لیکن پھر اگر وہ کوئی سوال کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہمارے خطاب کی بنیادی باتوں کو بھی نہیں سمجھ پائے؛ اس لئے یہ بات بہت ضروری ہوگئی ہے کہ خود مسلمانوں میں دعوت واصلاح کے کام کے لئے علماء انگریزی زبان سیکھیں، اور انگریزی آمیز اردو میں اپنی بات نئی نسل کے سامنے پیش کریں۔

Scanned with CamScanner

طب وصحت

جگر کے مسائل

جگر ہمارے جسم کا دوسرا بڑا اور ٹھوس عضو ہے جس کا وزن ایک سے ڈیڑھ کیلو گرام تک ہوتا ہے، جگر ہمارے جسم میں دائیں جانب پیٹ کے اوپر اور پسلیوں کے پیچھے ہوتا ہے، وہ تمام غذا جو ہم کھاتے ہیں جگر اسے توانائی میں تبدیل کردیتا ہے یہ توانائی ہمارے جسم کے لیے بہت ضروری ہوتی ہے۔

جگر پر تمام قوتوں کا دارومدار ہے جگر میں خرابی ہونے پر خون کے عمدہ نہ بننے اور پوری طرح اعضا کو نہ پہنچنے کی وجہ سے بدن کی حالت نہایت خراب ہوجاتی ہے جگر ایک نازک عضو ہے جو نہ زیادہ سردی برداشت کرتا ہے اور نہ زیادہ گرمی۔ کثرت سے مرغن غذائیں کھانے ،شراب خوری زیادہ گوشت کا استعمال اور ورزش نہ کرنے کی وجہ سے جگر کی حرارت بڑھ جاتی ہے ان مختلف وجوہات کی بنا پر ورم جگر درد جگر، جگر کا بڑھ جانا یا سکڑ جانا جیسی بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں۔جگر خون کو صاف کرنے کے ساتھ ساتھ جسم میں تقریباً ۵۰۰ دوسرے اہم کام بھی انجام دیتا ہے۔ اِس وجہ سے جگر کی سوجن سے انسان کی صحت بُری طرح متاثر ہوتی ہے۔جگر کی سوجن کو ہیپاٹائٹس کہتے ہیں۔

امراض جگر کی علامات

تھکاوٹ: ہرایک کو کسی نہ کسی وقت تھکاوٹ کا سامنا ہوتا ہی ہے،مگر جگر کے امراض کے باعث جس تکان کا تجربہ ہوتا ہے وہ بالکل مختلف ہے۔جگر میں خرابی کی صورت میں توانائی پر کنٹرول مشکل ہوجاتا ہے۔ کافی اور دیگر کیفین والے مشروبات جگر کی حالت کو زیادہ بدترین بنادیتے ہیں، لہذا توانائی کو واپس حاصل کرنے کے لیے پانی، پھل اور صحت مند پروٹین تک محدود رہیں۔

پلیٹ لیٹس کی کمی: پلیٹ لیٹس خون کے اندر وہ ننھے ذرات ہوتے ہیں جو جریان خون سے موت کے خطرے کو ٹالنے کے لیے ضروری ہیں۔جگر کے بیشتر مریضوں میں پلیٹ لیٹس کی کمی ہوجاتی ہے اور یہ جگر کے امراض کی شناخت کا بھی بڑا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

متلی: قے کا احساس ہونا کسی کے لیے بھی خوشگوار ثابت نہیں ہوتا اور جگر کے امراض کے شکار افراد کو اس کا تجربہ اکثر ہوتا ہے۔

ورم: جب آپ کے جسم کے مختلف حصے سوجنا خاص طور پر ٹانگوں کا سوجنا جگر کے امراض میں عام ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پیر اکثر سوج جاتے ہیں تو روزانہ 20 منٹ تک چہل قدمی کو عادت بنانے سے خون کی روانی کو ٹانگوں میں بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

یرقان: یرقان کے مرض سے تو سب ہی واقف ہیں اور بالغ افراد کو اس کا تجربہ عام طور پر اس وقت ہوتا ہے جب ان کے جگر کے اندر کچھ گڑبڑ چل رہی ہو۔اس مرض میں جلد کی رنگت بدلنے لگتی ہے اور وہ چند گھنٹوں یا دنوں میں زرد یا اورنج شیڈ کی ہوجاتی ہے۔

جلد خراشیں پڑجانا: جگر کے مختلف امراض کے شکار افراد میں خون کی بیماریاں بھی پیدا ہوجاتی ہیں، جیسے خون زیادہ بہنے لگتا ہے یا بغیر کسی وجہ کہ جلد پر خراشیں پڑجانا وغیرہ۔ اگر آپ ایسا ہوتے دیکھیں اور جلد پر خراش کی کوئی وجہ نہ مل سکے تو ڈاکٹر سے ایک بار ضرور مشورہ لیں۔

معدے میں درد: جب شکم میں موجود کسی عضو کو مسائل کا سامنا ہوتو پورے معدے میں درد کا سامنا تو ہوتا ہی ہے۔جگر کا درد بہت تیز ہوتا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے خنجر سے مارا جارہا ہو۔تو ایسا درد ہونے پر ڈاکٹر سے رجوع ضرور کرنا چاہئے۔

ہیضہ: عام طور پر جب نظام ہاضمہ میں کسی قسم کی خرابی ہوتو ہیضہ سب سے پہلی نشانی ہوتا ہے جو آپ کو چوکنا کرنے کی کوشش کررہی ہوتی ہے۔

کھانے کی خواہش ختم ہونا: جگر کے امراض میں مبتلا بیشتر افراد کو جسمانی وزن میں کمی اور کھانے کی خواہش ختم ہونے کا سامنا، علاج سے قبل، اس کے دوران اور بعد میں کرنا پڑتا ہے۔

جگر کے لیے مفید غذائیں

چقندر: سرخ اور جامنی رنگ کی یہ سبزی خون کو صاف اور خالص بناتی ہے۔اس میں موجود فولیٹ، فائبر، آئرن، بیٹیائن، بیٹاسینن اور بیٹانین جگر کے لیے بے حد مفید ہیں۔

پھول گوبھی: پھول گوبھی میں فائبر کثیر تعداد میں موجود ہوتا ہے جس سے جسم فاضل مادوں سے صاف ہوجاتا ہے۔اس میں پائے جانے والے گلوکو سائنولیٹس جگر کا فضلہ خارج کرنے کے لیے ضروری انزائمز پیدا کرنے میں مدد کرتے ہیں۔

شکر قندی: شکرقندی میں بیٹا کیروٹین پایا جاتا ہے جس سے جسم کو اینٹی ان فلیمیٹری غذائیت ملتی ہے یعنی وہ توانائی جو جسم کو موٹا نہیں کرتی۔جسم میں جاکر بیٹا کیروٹین وٹامن اے بن جاتا ہے جو کہ جگر کے لیے بے حد مفید ہے۔

لیمو: لیمو جگر کے لیے بہترین غذا ہے۔ یہ قدرتی طور پر جگر کی کلینزنگ کرتا ہے۔اس سے جسم کو وٹامن سی حاصل ہوتا ہے جو جگر کو ضروری انزائمز پیدا کرنے میں مدد کرتا ہے جس سے جسم کو توانائی حاصل ہوتی ہے۔ یہ نظام ہضم کے لیے مفید ہے۔

دالیں: دالیں بھی جگر کے لیے فائدے مند ہیں۔اس میں پودے سے حاصل ہونے والا پروٹین موجود ہوتا ہے۔جگر کے مرض میں ضرورت سے زیادہ پروٹین بھی نقصان دہ ہوسکتا ہے۔دال جسم کو اتنا ہی پروٹین پہنچاتی ہے جتنی کہ جسم کی ضرورت ہوتی ہے۔

پیاز پیاز میں ایلیسن نامی جز موجود ہوتا ہے جو کہ جگر اور غذا کی نالی کو صاف رکھتا ہے۔اس کے علاوہ پیاز پوٹاشیئم، فائٹو نیوٹریئنٹس اور فلیونوائڈز سے بھی بھرپور ہوتی ہے جو کہ جسم کو نزلہ زکام سے لے کر دیگر بیماریوں سے لڑنے میں مدد کرتے ہیں۔کچی پیاز کھانا معدے میں تیزابیت بنا سکتا ہے اس لیے بہتر ہے کہ اسے کھانا پکانے میں یا ہلکا سا پکا کر استعمال کیا جائے۔

سیب: سیب کے استعمال سے جسم میں کولیسٹرول لیول درست رہتا ہے، جس سے جگر کو بڑی مدد ملتی ہے۔اس کے علاوہ یہ میلک ایسڈ سے بھی بھرپور ہوتا ہے جو خون اور جگر کو صاف کرتے ہیں۔ سیب میں اینٹی آکسیڈنٹ خصوصیات ہوتی ہیں جو جگر کی صحت کے لیے ضروری ہیں۔

ہفتۂ رفتہ | **راشد العزیری ندوی**

قطب مینار کا نام تبدیل کرنے کا مطالبہ

ہندوتوا تنظیموں کے تقریباً دو درجن کارکنان نے قطب مینار کا نام بدل کر ''وشنو استمبھ'' کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔میڈیا رپورٹس کے مطابق ہندوتوا تنظیم 'مہا کال مانو سیوا' نے قطب مینار کو 'وشنو استمبھ' نام دینے کا مطالبہ کیا ہے۔اس تنظیم کے ایک کارکن نے کہا کہ ''مغلوں نے ہم سے اسے چھینا تھا اور اب ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ قطب مینار کا نام بدل کر جلد از جلد وشنو استمبھ کیا جائے۔ہم اس تعلق سے وزیر اعظم نریندر مودی کو عرضداشت بھی سونپیں گے۔'' بتایا جارہا ہے کہ قطب مینار کا نام بدلنے کو لے کر ہندوتوا بریگیڈ کا مظاہرہ چل رہا ہے۔مظاہرین میں کئی ہندو تنظیموں کے کارکنان شامل ہیں۔ مظاہرین نے اس دوران خوب نعرے بازی بھی کی اور '' جے شری رام'' کے نعرے بھی بلند کیے۔مظاہرین کا کہنا ہے کہ یہ سناتن مذہب کی جگہ ہے اور سناتن مذہب کی ہی رہے گی۔ پہلے اس کا نام وشنو استمبھ تھا لیکن مغلوں نے اس کا نام بدل کر قطب مینار کردیا تھا۔اب ہم اس کا نام پھر سے بدل کر وشنو استمبھ کرنے کا مطالبہ کررہے ہیں۔ہندوتوا بریگیڈ کے مظاہرے کو دیکھتے ہوئے قطب مینار کی سیکورٹی بڑھا دی گئی ہے۔قطب مینار دیکھنے پہنچے کئی سیاحوں کو باہر ہی روکا جا رہا ہے تاکہ سیاحوں کے ساتھ شرپسندوں کی بھیڑ قطب مینار احاطہ میں نہ گھس جائے۔ پولیس کے ذریعہ پیٹرولنگ بھی لگاتار کی جارہی ہے۔اتنا ہی نہیں پولیس نے مظاہرہ کررہے کچھ لوگوں کو حراست میں بھی لیا ہے۔حالانکہ مظاہرین کا کہنا ہے کہ قطب مینار کا نام بدلنے کو لے کر ان کا مظاہرہ جاری رہے گا۔

تاج محل کے بند کمرے کھلوانے کے لئے بی جے پی لیڈر کی عرضی ہائی کورٹ سے رد

الہ آباد ہائی کورٹ میں ایک عرضی دائر کی گئی تھی جس میں آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کو آگرہ میں تاج محل کے 20 کمروں کو کھولنے کی ہدایت طلب کی گئی تھی تاکہ ان میں ہندو مورتیوں یا صحیفوں کی ممکنہ موجودگی کی جانچ کی جاسکے۔ یہ عرضی رجنیش سنگھ نے دائر کی ہے، جو ایودھیا میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے میڈیا ڈیسک کے انچارج ہیں۔مغل بادشاہ شاہ جہاں نے 1632 میں تاج محل کی تعمیر کا کام شروع کیا تھا اور یہ منصوبہ 1653 میں مکمل ہوا تھا۔تاہم کچھ ہندوتوا مورخین نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ یہ مقبرہ شاہ جہاں سے پہلے کا ہے اور اس کی تعمیر مسلم حکمرانی کے آغاز سے بہت پہلے کی گئی تھی۔ہندوستان ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق رجنیش سنگھ کے وکیل رودر وکرم سنگھ نے کہا '' تاج محل سے متعلق ایک پرانا تنازعہ ہے۔تاج محل میں تقریباً 20 کمرے بند ہیں اور کسی کو ان کے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔خیال کیا جاتا ہے کہ ان کمروں میں ہندو دیوتاؤں کی مورتیاں اور صحیفے ہیں۔'' وکیل نے کہا کہ ان کمروں کو کھولنے اور ان تنازعات کو ختم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔درخواست میں بی جے پی کے رکن نے دلیل دی کہ کئی ہندوتوا گروپوں کا دعویٰ ہے کہ تاج محل ایک پرانا مندر ہے جو ہندو دیوتا شیو کے لیے وقف ہے اور اسے تیجو محلیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ عرضی میں کہا گیا کہ اس نظریہ کی تائید بہت سے مورخین بھی کرتے ہیں۔درخواست میں کہا گیا کہ یہ دعوے ایسی صورت حال کا باعث بنے ہیں جس میں ہندو اور مسلمان آپس میں لڑرہے ہیں لہٰذا اس تنازعہ کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ہائی کورٹ نے اس عرضی کو خارج کردیا اور کہا کہ کل آپ جج کے چیمبر کی تلاشی کی بھی عرضی پیش کردیں گے۔

گیان واپی مسجد کے سروے معاملہ میں عدالت کا فیصلہ

وارانسی میں گیان واپی مسجد کے سروے سے متعلق عدالت نے سروے کے لیے مقرر کیے گئے کورٹ کمشنر اجے کمار مشرا کو ہٹائے جانے سے انکار کردیا ہے۔ حالانکہ عدالت نے ایڈووکیٹ کمشنر کے ساتھ دو مزید وکیل کو سروے کمیٹی میں شامل کیا ہے۔ساتھ ہی عدالت نے گیان واپی مسجد کا سروے 17 مئی سے قبل کرانے کا حکم صادر کیا ہے۔عدالت نے 17 مئی کو سروے کی آئندہ رپورٹ دینے کے لیے کہا ہے۔گیان واپی معاملے میں ہندو فریق کے وکیل مدن موہن یادو نے کہا کہ "عدالت نے فیصلہ دیا ہے کہ کمشنر اجے مشرا نہیں بدلے جائیں گے اور ساتھ میں تالا کھول کر کارروائی کرنے کا حکم دیا ہے۔عدالت نے 17 مئی تک رپورٹ مانگی ہے۔ اگر کارروائی میں کوئی مداخلت کرتا ہے تو اس پر ایف آئی آر کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔قابل ذکر ہے کہ مسلم فریق نے 56 سی کی بنیاد پر کورٹ کمشنر کو بدلنے کا مطالبہ کیا تھا جسے سول جج نے خارج کردیا ہے۔ 61 سی کی بنیاد پر مسجد کے اندر سروے کی مسلم فریق نے مخالفت کی تھی۔

ایل پی جی سلنڈر کی قیمت میں 50 روپے کا اضافہ

ایل پی جی سلنڈر کی قیمت میں ہفتہ کے روز 50 روپے کا اضافہ کیا گیا۔رسوئی گیس کی قیمت میں اضافے کے بعد قومی راجدھانی میں اس کی قیمت 999.50 روپے فی سلنڈر ہوگئی ہے۔اپوزیشن پارٹیوں نے اسے آسمان چھوتی مہنگائی کے درمیان بے حال گھریلو خواتین کی رسوئی میں حکومت کی ڈکیتی قرار دے کر اس کی پرزور مخالفت کی ہے۔رواں ماہ کے آغاز میں ہی تجارتی استعمال والے 19 کلو کے ایل پی جی سلنڈر کی قیمت میں 102.50 روپے کا اضافہ کیا گیا تھا جس کے بعد سلنڈر کی قیمت 2355.50 روپے ہوگئی تھی۔اس کے ساتھ ہی 5 کلو کے ایل پی جی کمرشل سلنڈر کی قیمت بھی 655 روپے کردی گئی ہے۔

Volume:62/72,Issue: 18 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

Scanned with CamScanner

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF, PATNA-801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

کچھ اور بڑھ گیے ہیں اندھیرے تو کیا ہوا
مایوس تو نہیں ہیں طلوع سحر سے ہم
(ساحرلدھیانوی)

ملک کی ترقی کے لئے قانون کی بالادستی ضروری

ڈاکٹر محمد منظور عالم

حکومت کی تشکیل، ملک کی تعمیر اور جمہوریت کے قیام کا بنیادی مقصد ہوتا ہے عوام کو حقوق دینا، سماج میں مساوات پیدا کرنا، ہر ایک کو انصاف فراہم کرنا، شہریوں کی آزادی کو یقینی بنانا۔ اس بنیادی ایجنڈا کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کیلئے ملک میں متعدد شعبے قائم کئے جاتے ہیں ایک کو دوسرے سے جدا رکھا جاتا ہے، ہر ایک کو آزاد بنایا جاتا ہے، جامع اور لچکدار آئین وضع کئے جاتے ہیں جس میں ہر ایک پہلو کا خیال رکھا جاتا ہے، تمام نزاکتوں کا لحاظ کیا جاتا ہے، غریب، مظلوم، کمزور، اقلیت سبھی کو یکساں حقوق دینے کی بات ہوتی ہے۔ آئین میں یہ واضح کیا جاتا ہے کہ قانون سب کیلئے برابر ہوگا، ہر کوئی قانون کے دائرے میں ہوگا، کسی کو قانون میں استثنا حاصل نہیں ہوگا پھر اس آئین میں تمام انسانوں اور شہریوں کو مساوات کا حقدار ٹھہرایا جاتا ہے، کسی کو کسی پر کسی بھی بنیاد پر ترجیح حاصل نہیں ہوتی ہے، سبھی برابر حقوق کے حقدار ہوتے ہیں، آزادی، انصاف، مساوات اور بھائی چارہ کو آئین میں بنیادی درجہ دیا جاتا ہے۔ بھارت کے آئین کو بھی یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں آئین کے مقدمات میں انصاف، مساوات، آزادی اور بھائی چارہ شامل ہے۔ آزادی کے اول دن سے یہ کوشش رہی ہے کہ آئین پر عمل کرتے ہوئے دلتوں، آدی واسیوں، کمزوروں، مظلوموں، اقلیتوں سبھی کو انصاف ملے، ہر ایک کو آزاد شہری کا درجہ حاصل رہے۔ مساوات اور برابری کی بنیاد پر برتاؤ کیا جائے۔ آئین میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ملک کے مختلف ادارے آزاد اور خود مختار رہیں گے ایک کا دوسرے پر دباؤ نہیں ہوگا۔ حکومت اور عدلیہ کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ حکومت اپنی ذمہ داری نبھائے گی۔ الیکشن کمیشن ایک خود مختار ادارہ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری نبھائے گا۔ پولس محکمہ ایمانداری سے اپنا کام انجام دے گا۔ اسی طرح عدلیہ مکمل طور پر آزادی اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انصاف قائم کرے گی۔ عدالت میں حاکم اور رعایا، امیر اور غریب، ہندو اور مسلمان، برہمن اور دلت ہونے کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا، حکومت کے وزیر اور ایک عام شہری میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ جس کا بھی جرم ثابت ہوگا اسے سزا کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ عدلیہ حقائق اور ثبوتوں کی بنیاد پر فیصلہ سنائے گی۔ مجرم کو مجرم گردانے گی اور بے قصوروں کی رہائی کا پروانہ جاری کرے گی۔ یہی کسی عدالت کی بنیادی خصوصیت ہوتی ہے۔ اسی کا نام انصاف ہے۔ تاریخ میں ایسے دسیوں واقعات موجود ہیں جہاں عدالت میں ایک عام شخص کے مقابلے میں بادشاہ وقت کو مجرم قرار دیا گیا ہے اور قاضی نے کسی خوف کے بغیر ایسا فیصلہ سنایا ہے۔

اسلامی تاریخ میں ایسے کئی اہم واقعات ہیں جن میں سے ایک کا ذکر یہاں مناسب ہوگا اور یہ واقعہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کا ہے جن کے خلاف ایک یہودی کے مقابلے میں قاضی شریح نے قانون کی بالادستی کے لئے فیصلہ سنایا تھا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک دفعہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرہ گم ہوگئی اور کچھ دنوں بعد آپ نے وہی زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی، آپ نے اس یہودی سے فرمایا کہ یہ زرہ تو میری ہے، فلاں دن فلاں جگہ پر گم ہوگئی تھی، یہودی نے جواب دیا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، یہ زرہ میری ہے اور اس وقت میرے قبضے میں ہے، اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہمارے درمیان آپکا مسلمان قاضی فیصلہ سنائے گا۔

ابو امیہ شریح بن حارث بن قیس بن جہم الکندی ابتدائی اسلام کے مشہور فقیہ قاضیوں میں سے ایک ہیں، آپکا تعلق یمن سے تھا، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانہ خلافت میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ نے طویل عمر پائی اور 108 سال کی عمر میں 87 ہجری کو کوفہ میں داغ مفارقت دے گئے۔ اس وقت کے خلیفہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہودی قاضی شریح کی عدالت میں پہنچے، قاضی شریح امیر المومنین کو دیکھ کر اپنی نشست یا محفل سے اٹھ کھڑے ہوئے مگر امیر المومنین نے فرمایا کہ آپ بیٹھے رہیں۔ امیر المومنین حضرت علی نے اپنا مقدمہ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ میری زرہ گم ہوگئی تھی اور آج میں نے یہی زرہ اس (یہودی) کے پاس دیکھی ہے۔ قاضی شریح نے یہودی سے پوچھا کہ تمہیں کچھ کہنا ہے؟ یہودی نے کہا کہ یہ زرہ میری ہے اور میرے قبضے میں ہے۔ قاضی شریح نے زرہ دیکھی اور فرمانے لگے "واللہ اے امیر المومنین! یہ زرہ واقعی آپ کی ہی ہے اور آپ سچے ہیں مگر قانون کے مطابق آپ کو گواہ پیش کرنے ہوں گے"۔

امیر المومنین نے گواہ کے طور پر اپنے غلام قنبر کو پیش کیا، غلام نے آپ کے حق میں گواہی دی۔ پھر آپ نے اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو پیش کیا، ان دونوں نے بھی امیر المومنین کے حق میں گواہی دی۔ قاضی شریح نے فرمایا "اے امیر المومنین آپ کے غلام کی گواہی قبول کرتا ہوں، مگر آپ مزید ایک گواہ کا بندوبست کریں۔ آپ کے دونوں صاحبزادوں کی گواہی قبول نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں"۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ "اللہ کی قسم میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ "حسن اور حسین نوجوانان اہل جنت کے سردار ہیں"۔ قاضی شریح کہتے ہیں کہ واللہ یہ حق ہے۔ مگر قانون کے مطابق آپ کے بیٹوں کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی۔ یہ کہتے ہوئے قاضی شریح نے یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا اور زرہ یہودی کے حوالے کر دی۔ مسلمانوں کے قاضی کا خلیفہ کے خلاف فیصلہ اور خلیفہ کا اپنے خلاف فیصلے کو بغیر کسی چوں و چرا کے تسلیم کرتا دیکھ یہودی حیران رہ گیا۔ یہودی نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اپنی نظر اٹھائی اور کہا امیر المومنین آپکا دعویٰ سچا ہے، یہ زرہ واقعتاً آپ ہی کی ہے۔ فلاں دن یہ زرہ آپ سے گر گئی تھی اور میں نے اٹھالی تھی۔ اپنی ملکیت واپس لیں اور اس کے بعد اسلام میں قانون کی برتری اور انصاف کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے یہودی نے اسلام قبول کر لیا۔

معاشرہ کی ترقی، سماج کی بھلائی، ملک کے استحکام اور امن وسلامتی کے فروغ کیلئے قانون کی بالادستی ضروری ہے اور اس کی ذمہ داری عدلیہ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ قانون کا یکساں نفاذ کرے، جرم ثابت ہوجانے کے بعد شخصیت دیکھ کر سزا دینے سے گریز کرے، کمرہ عدالت میں شہری اور وزیر ہونے کی بنیاد پر کوئی فرق نہ کرے۔ اگر ایسا کسی ملک میں ہوتا ہے، کسی ملک کی عدلیہ شخصیت دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے، قانون کی بالادستی کو ضروری نہیں سمجھتی ہے تو پھر ایسا ملک دھیرے دھیرے جنگل راج میں تبدیل ہوجاتا ہے، انارکی پھیل جاتی ہے اور معاشرہ میں جرائم پھیلنا شروع ہوجاتا ہے۔ حالیہ دنوں میں ہمارے ملک کی عدلیہ کی جانب سے بھی کچھ ایسے معاملات سامنے آئے ہیں جس میں قانون کی بالادستی کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مرکزی وزیر کے جرم کو بے اثر کرنے اور انہیں بے قصور ٹھہرانے کیلئے جرم کی یہ تشریح کی گئی کہ چونکہ ہنستے ہوئے وزیر موصوف نے زہر انگیز تقریر کی تھی لہذا اس کی بنیاد پر انہیں مجرم نہیں ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ ایک اور معاملہ میں مجرموں کو رہا کرنے کی یہ وجہ بتائی گئی کہ ان دونوں سے پہلی مرتبہ جرم صادر ہوا ہے لہذا انہیں رہا کیا جانا چاہئے، اگر آئندہ کسی جرم کا ارتکاب ہوتا ہے تو کارروائی کی جائے گی، فی الحال عورتوں کی نیلامی اور مسلم خواتین کو سرعام بیچنے کا جرم پہلی مرتبہ سرزد ہوا ہے لہذا یہ معمولی ہے اور نظر انداز کیا جانا چاہئے۔

فاضل ججوں کی جرم کو ہلکا کرنے کی یہ کوشش اور مجرم کا بیک گراؤنڈ دیکھ کر فیصلہ سنانے کی یہ روایت یقینی طور پر عدلیہ کے اصولوں کے خلاف، انصاف کی پامالی اور آئین کی توہین ہے۔ قانون کی بالادستی کے سامنے ہر کوئی برابر ہے، کوئی بھی قانون سے اوپر نہیں ہونا چاہئے اور اگر ایک جمہوری ملک میں کسی واضح جرم کی یہ تشریح کر کے اس کے مرتکب کو مجرم کی فہرست سے خارج کر کے بے گناہ قرار دے دیا جائے تو پھر وہ ملک یقینی طور پر جنگل راج میں تبدیل ہوجائے گا اور عدلیہ کی اس روش کا خمیازہ وہاں کی عوام اور آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑے گا کیوں کہ بادشاہ وقت مسکرا کر حکم نامہ جاری کرے یا سنجیدگی کے ساتھ اس کا حکم قابل قبول سمجھا جاتا ہے، اس پر عمل ضروری ہوتا ہے جس طرح فاضل جج مسکرا کر فیصلہ سنائیں یا مکمل سنجیدگی کے ساتھ بہر صورت اس فیصلہ کو حتمی سمجھا جائے گا، ایسا کوئی اصول نہیں ہے کہ اگر جج صاحب فیصلہ سناتے ہوئے مسکراتے نظر آجائیں تو اس فیصلہ کو مذاق پر محمول کیا جائے گا اسے حتمی فیصلہ نہیں سمجھا جائے گا۔ بات واضح ہے کہ جو حکمران ہوتے ہیں، جن کے ہاتھوں میں طاقت ہوتی ہے، جو اقتدار کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں وہ اپنا فرمان سنجیدگی کے ساتھ نہیں بلکہ مسکرا کر ہی جاری کرتے ہیں، ان کی مسکراہٹ میں نفرت، حقارت اور تعصب پنہاں ہوتی ہے۔ اس مسکراہٹ میں ایک پیغام چھپا ہوتا ہے۔ ایک میسیج دیا جاتا ہے کہ کس طرح بادشاہ وقت اور وزیر موصوف کے بیان کو آگے بڑھانا ہے اور اسے عملی جامہ پہنانا ہے۔ یہ معاملہ واقعی بہت پیچیدہ اور قابل غور ہے۔ ملک کے کمزور، مظلوم اور اقلیتوں کی آخری اور واحد امید یہاں کی عدلیہ ہے۔ عدالتوں سے انصاف کی توقع اور ظلم کے خاتمہ کی امید ہوتی ہے لیکن اگر عدالتوں سے بھی ظلم کی حمایت میں فیصلہ صادر ہونے لگیں گے، ظالموں کو بچانے کے طریقے اختیار کئے جائیں گے تو پھر یقینی طور پر ملک میں انارکی پھیل جائے گی۔ شرپسندوں کے حوصلے بلند ہوجائیں گے اور قانون کی دھجیاں اڑائی جائیں گی۔ آئین، دستور، عدالت اور قانون کا وجود بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ اس لئے عدالتوں کو چاہئے کہ انصاف کی بالادستی کو قائم کرے، عدلیہ کے وقار کو مجروح ہونے سے بچائے۔ انصاف کی پامالی کا سلسلہ روک دیا جائے کیوں کہ عدلیہ ہی عوام کی آخری امید ہوتی ہے اور انصاف قائم کرنے کے بعد ہی ملک میں خوشحالی آتی ہے، ہمہ جہت ترقی ہوتی اور معاشرہ میں امن وسکون اور سلامتی برقرار رہتی ہے۔

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اوپر دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈرافٹ بھی سالانہ یا ششماہی زر تعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، اور رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کردیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168
Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
Mobile: 9576507798 رابطہ اور واٹس اپ نمبر

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ آپ نقیب کے آفیشل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

(منیجر نقیب)

WEEK ENDING-15/05/2022, Fax : 0612-2555280, Phone:2555351,2555014,2555668, E-mail : naqueeb.imarat@gmail.com, Web. www.imaratshariah.com,

نقیب | قیمت فی شمارہ -/8 روپے | ششماہی -/250 روپے | سالانہ -/400 روپے

Print & Design by : Azimabad Printers, Patna # 9473371988

Scanned with CamScanner